کاپی رائٹ محفوظ - کوئی شخص بلا اجازت مصنف طبع کا مجاز نہیں ہے

سفرنامہ روم و مصر و شام

جس کو

مولانا شبلی نعمانی پروفیسر عربی لٹریچر مدرسۃ العلوم

علی گڈھ نے روم مصر و شام کے سفر سے واپس آکر

ترکوں کی تمدنی حالت اور حسن معاشرت سے عوام کو

آگاہ کرنے کے لیے مرتب کیا

باہتمام سید ظہور الحسن مہتمم احسن التجارت دہلی گڈھ نظام الملک

قومی پریس دہلی مین چھپا

۱۳۱۹ھ

تعداد طبع

BOOK NOT TO BE ISSUED

STATE LIBRARY

Checked 1987

مختصر فہرست کتب کارخانہ احسن التجارت دہلی

المامون - ازمولوی شبلی نعمانی
اس کتاب کے دو حصے ہین پہلے
حصہ مین تمہید - ترتیب خلافت
مامون الرشید کی ولادت تعلیم و
تربیت - ولیعہدی تخت نشینی
خانہ جنگیان - فتوحات ملکی وفات
کے حالات - دوسرے حصہ مین
اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے
اس عہد کی ملکی حالات اور مامون
الرشید کے تمام اخلاق و عادات
کا اندازہ ہوسکتا ہے نیز اُن تمام
کارنامون کی تفصیل ہے جن کی
وجہ سے مامون الرشید کا عہد
عموماً شاہان عالم کے عہد سے
علمی حیثیت مین ممتاز تسلیم کیا
گیا ہے - معہ رسالہ جزیہ کاغذ
ولایتی - قیمت عہ

الہارون یعنی سوانح عمری خلیفہ
ہارون الرشید اعظم - عہ

الفاروق یعنی سوانح عمری حضرت
عمر رضی اللہ عنہ مؤلفہ شمس العلماء
مولانا شبلی نعمانی - ملے

سیرت محمدیہ - یہ حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری
اور تعلیمات مصنفہ میرزا حیرت
دہلوی - قیمت سے

سیرۃ النعمان یعنی امام اعظم
ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی
سوانح عمری حصہ اوّل و دوم
اس کتاب کے پہلے حصہ مین
امام صاحب کا نام و نسب و
ولادت و سن رشد - و تعلیم و
تربیت شیوخ - حدیث - درس
و افتا بقیہ زندگی اور دربار کے
تعلقات وفات عام اخلاق و
عادات مناظرہ و فتاوی ذہانت
و طباعی اس قسم کے حالات نہایت
تفصیل سے مذکور ہین - دوسرے
حصہ مین امام صاحب کے اصول
اور مسائل سے جو علم کلام اور فن
حدیث سے متعلق ہین تفصیلی بحث
ہے اور واقعات و اسانید کے
ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث
مین انکا کیا پایہ تھا - فن فقہ پر
تفصیلی ریویو ہے جس مین تدوین
فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ
وہ تمام خصوصیتین تفصیلا بیان
کی گئی ہین جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو
اور ائمہ کے فقہون پر ترجیح حاصل
ہے - خاتمہ مین امام صاحب کے
نامور اور ممتاز شاگردون کے
مختصر حالات ہین مطبوعہ
مجتبائی - ازمولانا شبلی - عہ

اقصائے مغرب - جس مین الجزائر
کے آخری تین سو برس کے تاریخی
واقعات بربری غارت گرون کی
اصلیت خاندان باربروسہ

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
تمہید	۱ تا ۶
سفر کا ارادہ اور اُس کا آغاز	۱۳ و ۱۴
بمبئی سے عدن تک	۱۴ و ۱۷
عجیب وغریب جانور	۱۸
پورٹ سعید	۲۱ و ۲۲
بیروت کی سرسری سیر	۲۲ و ۲۳
پورٹ سعید سے حالت سفر میں ایک تغیر	۲۳
ایرانی ٹوپی کی وجہ سے عربوں کی بے اعتنائی	۲۴
سیاپرس	۲۴ و ۲۷
ازمیر یعنی سمرنا	۲۷ و ۳۰
مچھلیوں کا جہاز کے ساتھ دوڑنا	۳۰
قسطنطنیہ پہنچنا اور اُس وقت کی پریشانی	۳۱
قسطنطنیہ کے قیام کے طریقے شیخ عبدالفتاح کی رفاقت اور ان کا حال	۳۱
ایک تصنیف کے ذریعہ سے شیخ علی ظبیان کی ملاقات	۳۳
کھانے کا انتظام	۳۴
قصیدہ سفریہ	۳۴ و ۳۶
قسطنطنیہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حالات	۳۶ و ۳۹
قسطنطنیہ کی موجودہ حالت	۳۹
موقع اور منظر کی خوبی	۳۹
وسعت اور تمدن	۴۱ و ۴۲
یورپین اور ایشیائی تمدن اور اختلاف حالت کا سبب	۴۲ و ۴۳

مضمون	صفحہ
لباس اور وضع	۴۲ و ۴۳
عدالتیں	۴۴
تعلیم کی حالت	۴۵
تعلیم جدید اور اُس کے مختلف درجے	۴۶
سلطان حال کے زمانہ میں تعلیم کی ترقی اور تعلیم کے مصارف سالانہ	۴۷
سلطان کا طالب علموں کی دعوت کرنا	۴۷
خاص اہل عرب کی تعلیم کا اہتمام ..	۴۸
بڑے بڑے کالج اور اسکول ..	۴۸ و ۵۱
بورڈنگ کا طریقہ	۵۱ و ۵۲
طالب العلموں کا لباس	۵۲
ترقی تعلیم میں کمی	۵۴
فوجی کالج	۵۵ و ۶۱
سلطانی کالج	۶۱ و ۶۴
ملکیہ کالج	۶۴ و ۶۶
قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ	۶۶ و ۶۸
ترکوں کی علمی حالت	۶۸ و ۷۱
اخبارات اور رسالے	۷۱ و ۷۲
کتابوں کے چھپنے میں اعتدال سے زیادہ احتیاط	۷۲ و ۷۳
چھاپے خانے	۷۳
کتب خانے	۷۳ و ۷۴
زوایا یعنی ہر ملک اور ہر قوم کے لیے خیراتی مسافر خانے	[illegible]
جامع مسجدین .. .. / قابل دید مقامات	[illegible]

مضمون	صفحہ
ترسانہ خانہ یعنی جہاں سرکاری جہاز تیار ہوتے ہیں	۸۷ و ۸۹
عجائب خانہ	۹۰
سیرگاہیں	۹۱
محرم	۹۲ و ۹۳
سلاملق یعنی سلطان المعظم کا جمعہ کی نماز کو آنا اور فوجوں کا ملازمت سے گزرنا ..	۹۴ و ۹۷
عید جلوس	۹۸
متفرق عیدیں	۹۹ و ۱۰۰
ترکوں کے اخلاق و عادات و طرز معاشرت	۱۰۲ و ۱۰۸
عورتوں کی تعلیم و تربیت و وضع لباس	۱۰۸ و ۱۱۰
قسطنطنیہ میں ہندوستانی ..	۱۱۰ و ۱۱۱
قسطنطنیہ کے احباب	۱۱۲ و ۱۱۳
غازی عثمان پاشا کی ملاقات مصنف کو تمغہ مجیدی ملنا اور تمغہ و فرمان سلطانی کی نقل	۱۱۴ و ۱۱۷
قسطنطنیہ سے روانگی	۱۱۸
جہاز پر ایک ناگوار واقعہ	۱۲۰
بیروت	۱۲۱
بیروت کی علمی ترقی	۱۲۲
بیروت یونیورسٹی	۱۲۶
انجمنیں اور اخبارات	۱۳۱
علما اور اہل کمال کی ملاقات	۱۳۴
بیروت سے روانگی	۱۳۷

مضمون	صفحہ
بیت المقدس	۱۳۹
مسجد اقصیٰ	۱۴۰
قمامہ	۱۴۳
علما و فضلا کی ملاقات اور چند دیگر حالات	۱۴۴
بیت المقدس سے روانگی	۱۴۵
قاہرہ	۱۴۷
مصر کی تعلیمی حالت	۱۴۹
کالجوں اور اسکولوں کی تعداد اور اُن کے مصارف	۱۵۱
دارالعلوم	۱۵۲
قانونی کالج	۱۵۶
مدرسۃ الترجمہ	۱۵۸
طبیہ کالج	۱۵۹
انجینئرنگ کالج و مدرسہ صنعت و عام مدارس	۱۶۰
یورپ میں تعلیم پانیوالے	۱۶۲
جامع ازہر	۱۶۴
کتب خانہ سرکاری	۱۶۸
قدیم یادگاریں	۱۷۲
مزارات	۱۷۷
مطابع اور اخبارات	۱۷۸
تھیئٹر	۱۸۱
کلب اور انجمنیں	۱۸۲
مولد نبوی صلعم	۱۸۳
اہل کمال اور مصنفین	۱۸۵
سفر کا خاتمہ اور اہل عرب کے فیاضانہ اخلاق	۱۸۹
حال کی عربی زبان	۱۹۲

سفرنامۂ روم و مصر و شام

جس میں علاوہ اُن جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلۂ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ بیروت، بیت المقدس، قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعاتِ ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابلِ دید مقامات مشہور عمارات سررشتۂ تعلیم دارالعلوم اور مدارس۔ بورڈنگ اور طلبا کی تربیت تعلیمِ نسواں مصنفین اور تصنیفات کتبخانے۔ اخبارات اور رسالے۔ مشہور پاشاؤں اور اربابِ کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے آخر میں اُن الفاظِ مولدہ کی مختصر سی فرہنگ ہے جو آجکل مصر و شام میں مستعمل ہوگئے ہیں۔ اور جن کے نہ جاننے کی وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

مُرتبہ

شبلی نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

در موسم گل گر بہ گلستان نرسیدیم   از دست ندادیم تماشائے خزاں را

رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء میں میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ محض ایک طالب العلمانہ سفر تھا۔ اور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا۔ نہ واقعات سفر میں چنداں ندرت تھی۔ سفرنامہ لکھنے کا میرا ارادہ نہ تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آکر جن بزرگوں اور دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا سب سفرنامہ کے متقاضی تھے۔ میں نے خیال کیا کہ چونکہ ایک مدت سے ہماری جماعت میں سیر و سیاحت کا طریقہ بند ہے اور اس وجہ سے اسلامی ممالک کے صحیح حالات سے بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔ لوگوں کا یہ تقاضا کچھ بیجا نہیں۔ مجھ کو خود اپنی حالت یاد آئی کہ سفر سے پہلے قسطنطنیہ وغیرہ کا کوئی سیاح ملجاتا۔ تو میں گھنٹوں وہاں کے حالات پوچھا کرتا۔

یہ اسباب تھے جنہوں نے مجھ کو ان اوراق پریشان کی ترتیب پر آمادہ کیا ورنہ ایسے عاجلانہ اور معمولی سفر کے حالات قلمبند کرنے اور ان کو سفرنامہ یا کتاب الرحلت کا لقب دینا تنگ ظرفی سے خالی نہ تھا۔ سفرنامہ میں جس قسم کی اطلاعیں لازمی اور ضروری ہیں یعنی ملک کی اجمالی حالت۔ انتظام کا طریقہ۔ عدالت کے اصول۔ تجارت کی کیفیت۔ عمارتوں کے نقشے۔ ان میں سے ایک چیز بھی اس سفرنامہ میں نہیں۔ البتہ معاشرت اور علمی حالت کے متعلق معتدبہ واقعات ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ نہیں ہیں جس قدر ہونی چاہئیں۔ غرض جو شخص سفرنامہ کو سفرنامہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس کتاب سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ جن لوگوں کو اسلامی ممالک کے معمولی واقعات بھی مزہ

آتا ہے اُن کی دعوت میں یہ ماحضر پیش کیا جاسکتا ہے کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ +

میں نے اگرچہ اس کتاب میں ترکوں کی تمدنی یا ملکی حالت سے کچھ بحث نہیں کی ہے اور نہ اس قسم کی بحث میرے منصب حالت کے لحاظ سے مناسب تھی تاہم اس کتاب کو پڑھ کر ناظرین کے دل میں ترکوں کی تہذیب شائستگی کا جو درجہ قائم ہوگا وہ اُس سے مختلف ہوگا جو یورپ کے عام لٹریچر سے ظاہر ہوتا ہے +

یورپ نے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف جو خیالات قائم کر لئے تھے۔ ایک مدت تک وہ علانیہ اس طریقہ سے ظاہر کئے جاتے تھے کہ مذہبی تعصب کا رنگ صاف نظر آتا تھا اور اس وقت قبول عام کا یہی بڑا عمدہ ذریعہ تھا لیکن جب یورپ میں مذہب کا زور گھٹ گیا۔ اور مذہبی ترانے بالکل بے اثر ہوگئے۔ تو اُس پالیسی نے دوسرا پہلو بدلا۔ اب یہ طریقہ چنداں مفید نہیں سمجھا جاتا۔ کہ مسلمانوں کی نسبت صاف صاف متعصبانہ الفاظ لکھے جائیں۔ بلکہ بجائے اس کے یہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومتوں اسلامی قوموں۔ اسلامی معاشرت کے عیوب تاریخی پیرایہ میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور عام تصنیفات۔ قصوں۔ ناولوں۔ ضرب المثلوں کے ذریعہ سے وہ لٹریچر میں اس طرح جذب ہو جاتے ہیں کہ تحلیل کیمیاوی سے بھی جدا نہیں ہو سکتے +

اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی قوموں سے برتا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم کو خاص ترکوں سے بحث ہے۔ یورپین لٹریچر پڑھ کر ترکوں کی نسبت تحقیر کے خیالات نہ پیدا ہونے بعینہ ایسا ہے جیسا خواب آور دوا کھا کر نیند کا نہ آنا +

یورپ میں مصنفین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور اس وجہ سے ان میں متعصب، نیک دل۔ ظاہر بین۔ دقیق النظر ہر درجہ اور ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ لیکن ترکوں کے ذکر میں تو اختلاف مذاق بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ہر سمت سے وہی ایک صدا نکلتی ہے

مثلاً آج کل کے سچے سے سچے یورپین مصنف کی راست بیانی یہ ہے کہ وہ ٹرکی حکومت کے ذکر میں، قرضہ کی گرانباری۔ صنائع و فنون کا بقدر کافی موجود نہ ہونا۔ اضلاع میں تعلیم کی عدم وسعت۔ آلات و اسلحہ میں یورپ کی احتیاج۔ ان تمام امور کو بالکل.... راست راست لکھتا ہے لیکن جو اصلاحیں حال میں ہوئی ہیں اُن کے ذکر سے اس طرح دامن بچایا جاتا ہے کہ گویا اصلاح کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ خزانہ کا انتظام تمام اضلاع میں زراعتی بنکوں کا قائم ہونا اور مدارس رشدیہ کی تعداد کا ۹۶ سے ۴۰۵ تک ترقی کر جانا بڑے بڑے کالجوں کا جاری ہونا۔ ریلوے کی وسعت۔ ادائے قرضہ کے انتظامات۔ فوجی قوت کی ترقی۔ ان واقعات[1] کو بھول کر نہیں لکھتا۔

کسی قوم یا کسی شخص کے قابلِ مدح یا ذم ثابت کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے کہ اُس کے حالات اور واقعات کی یک رُخی تصویر کھینچی جائے اور انصاف یہ ہے کہ یورپ نے اس فریب آمیز طریقے کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ برتا ہے۔

بے شبہ یورپ میں ایسے فیاض دل بھی ہیں جن کو تعصب سے کچھ واسطہ نہیں۔ لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں انہوں نے پرورش پائی ہے۔ اُن کے گردوپیش معلومات کا جو سرمایہ ہے۔ جو آوازیں ہر طرف سے اُن کے کانوں میں آتی ہیں۔ ان چیزوں کے مقابلے میں اُن کی بے تعصبی بھی کچھ کام نہیں دیتی۔ ایک صاحب جو نہایت بے تعصب اور عام شخص ہیں اور مجھ کو اُن کی خدمت میں نیاز حاصل ہے قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کا سفر کر کے واپس آتے تو میں نے اُن سے بر سبیل تذکرہ پوچھا کہ آپ نے قاہرہ میں جامع ازہر کی سیر بھی کی؟ بولے "مجھ کو اس کی سیر کا بہت شوق تھا لیکن میرے رہنما

[1] سلطان حال کے عہد میں جو علمی اور عملی ترقیاں ہوئی ہیں۔ اس کی تفصیل میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے جو قسطنطنیہ میں شائع ہوئی ہے۔ اور خاص بحری ترقیوں کے ذکر میں راسم بک آفندی کا رسالہ حال میں شائع ہوا ہے جس کا نام "دور ترقی" ہے۔

نے کہا کہ عیسائیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے"۔ اگرچہ واقعہ محض غلط ہے میں خود جامع ازہر میں ایک مہینے زیادہ مقیم رہا اور میرے عیسائی احباب بے تکلف مسجد ہی میں مجھ سے ملنے آتے تھے۔ لیکن چونکہ یورپ میں مسلمانوں کا تعصب اور تنگ خیالی علوم متعارفہ کے قریب ہے، اُن صاحب کو اپنے رہنما کی بات کے یقین کرنے میں کیونکر تامل ہو سکتا تھا؟

طرہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام شاہراہ سے الگ ہو کر کچھ کہا یا لکھا تو یورپ کے نقارخانے میں اُس کی آواز طوطی کی آواز سمجھی جاتی ہے۔ ایک انگلش شہزادی نے پندرہ سولہ برس قسطنطنیہ میں رہ کر دوازدہ سالہ حکومت عبدالحمید ثانی کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اگرچہ اُس کے اعتبار کے لیے مصنف کی علمی قابلیت، پندرہ سولہ برس کا تجربہ، دریافت حالات کے صحیح وسائل، یہ تمام قرائن موجود تھے۔ لیکن چونکہ وہ ترکوں کی عیب گوئی میں یورپ کی ہمزبان نہ تھی اس کو استناد اور اعتماد کا درجہ نہ حاصل ہو سکا۔ ہم نے تعلیم یافتہ اشخاص کو اُس کی نسبت یہ کہتے سنا ہے کہ "عجب نہیں یہ کتاب فرضی مصنف کے نام سے خود ترکوں نے لکھی ہو یا اُس انگلش شہزادی کو سلطانی انعامات نے ایسی کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہو" لیکن یہی کتاب اگر ترکوں کے معائب میں ہوتی تو اُن اشخاص کے نزدیک اُس کا ہر حرف قطعی و یقینی ہوتا۔ پروفیسر ویمبری نے اپنے محققانہ تجربے سے ترکوں کی تہذیب و شائستگی پر جو مضامین لکھے وہ بھی اسی وجہ سے بے اثر رہے کہ پروفیسر مذکور نے ترکوں کی موجودہ علمی ترقی کا اعتراف کیا تھا۔

ترکوں کی نسبت اگرچہ یورپ کے عام لٹریچر کی یہ حالت ہے لیکن ہم کو موقع کے لحاظ سے ترکی کے سفرناموں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہیے کیونکہ یورپ کی تاریخی تصنیفات کا سرمایہ بھی بہت کچھ انہیں سفرناموں تاریخی سلسلہ کا ایک دلچسپ حصہ ہے لیکن جس قدر دلچسپ ہے اسی قدر غلطیوں کے احتمالات سے مملو ہے۔

ایک بڑی غلطی جو عموماً سفرنامہ لکھنے والوں کو واقع ہوتی ہے جزئیات سے کلیات

کا قائم کرنا ہے۔ سفر میں انسان کو جن اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے وہ اُن کے اخلاق عادات۔ خیالات سے تمام قوم کی نسبت عام رائے قائم کرلیتا ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ وہ امور انہیں چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں۔ اسی طرح ہر واقعہ سے وہ ایک عام نتیجہ نکالنا چاہتا ہے اور واقعہ کے خاص اسباب کی جستجو میں نہ وہ اپنا وقت صرف کرنا چاہتا ہے نہ اس کو اس قدر فرصت مِل سکتی ہے +

غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جو شخص کسی ملک کا سفر کرتا ہے اسکی نسبت پہلے سے اُس کے خیالات دوستانہ یا مخالفانہ ہوتے ہیں۔ وہاں پہونچکر اول اول جو کچھ وہ دیکھتا اور سُنتا ہے وہ محض سرسری ہوتا ہے۔ اور چونکہ ایسی اجمالی واقفیت۔ استنباط نتائج کے لیے کافی نہیں ہوتی اور وہ نتیجہ کے قائم کرنے میں دیر تک انتظار نہیں کرسکتا۔ اس لئے وہ ہر واقعہ کے ساتھ قیاسات کو دخل دینا جاتا ہے۔ اِن قیاسات کے وقت وہ حُسن ظن یا سُوء ظن جو پہلے سے اُسکے دِل میں دبا چھپا چپکے چپکے اپنا کام کرتا ہے اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اِس قسم کی غلطی کا احتمال اگرچہ دنیا کی تمام قوموں سے متعلق ہے لیکن یورپ والوں کو اس میں ایک خاص ترجیح حاصل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ استنباط نتائج میں یورپ والوں کو جو بے صبری ہے۔ اور کسی قوم کو نہیں ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ یورپ کا ایک عام سیاح یا پولیٹیشن اتفاق سے ہندوستان میں آنکلتا ہے۔ تو صرف ہفتہ دو ہفتہ کے تجربہ کی بنا پر یورپ کے اخباروں اور میگزینوں میں اس دعوے کے ساتھ بڑے بڑے آرٹکل شائع کرتا ہے کہ گویا ہندوستان کی معاشرت و تمدن کے تمام راز اُس پر کھُل گئے ہیں +

ایک اور بڑا سبب یہ ہے کہ سیاح کو چونکہ حالات کے دریافت کا نہایت شوق ہوتا ہے اس لیئے وہ ہر شخص سے جو اُس کو ملتا ہے کچھ نہ کچھ معلومات کا سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس تعمیم میں وہ ان تحقیقات کی کہ وہ شخص ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ روشن ضمیر ہے یا متعصب دقیق النظر ہے یا ظاہر بین کچھ پرواہ نہیں کرتا اور کرتا بھی چاہے تو کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یورپ والے

اس باب میں اور بھی بے اعتنائیاں ہیں۔ اکثر یورپین سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کرتے ہیں وہ عموماً پیرا اور غلطہ کے جن ہوٹلوں میں اُن کو ٹھیرنے کا اتفاق ہوتا ہے وہ وہاں سے کہیں جا چاہتے ہیں ایک گائڈ (رہنما) اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو نہ صرف ان کو عمارات اور مقامات کی سیر کراتا ہے۔ بلکہ اُن کے تمام سوالات کا جو موقع بموقع وہ پوچھتے جاتے ہیں جواب دیتا جاتا ہے یہ گائڈ عموماً یونانی ہوتے ہیں اور روپیہ۔ دو روپیہ روزانہ اُن کی اجرت ہوتی ہے ان گائڈوں کی معلومات جس قسم کی ہوتی ہیں ہر شخص خود اُس کا اندازہ کر سکتا ہے ✦

فاطمہ خانم[1] نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یورپ کی معزز خاتونیں جن سے مجھ کو ملنے کا اتفاق ہوا۔ جب ترکی خاتونوں کے متعلق واقعات کے طور پر کچھ بیان کرتی تھیں۔ تو مجھ کو گمان ہوتا تھا۔ کہ یہ کسی اور قوم کا تذکرہ ہے۔ یا ناول کے طور کے قصے ہیں۔ فاطمہ خانم نے اس پر رائے دی ہے کہ "ان بیچاروں کا کچھ قصور نہیں۔ گائڈ جو کچھ سیاحوں سے کہدیتے ہیں اُن کو یقین کرنا پڑتا ہے"۔ ہمارے دوست جو جامع ازہر کی سیر سے محروم رہ گئے تھے اُن کو بھی گائڈ ہی نے دھوکا دیا تھا ✦

غرض یورپ کی تحریروں اور سفرناموں سے میرے سفرنامہ کا مختلف ہونا لازمی بات تھی۔ اگرچہ اس اختلاف کے اسباب کے بیان کرنے میں اس قدر اطناب۔ کہ بجائے خود ایک مستقل مضمون بنجائے موزون نہ تھا ✦

ترکی سفر سے جو اثر میرے دل پر ہوا۔ اس کا بیان ظاہر کرنا چنداں ضرور نہیں اس سفرنامہ کے پڑھنے سے خود اس کا پتہ لگ سکتا ہے۔ البتہ اس قدر کہنا ضرور ہے کہ

[1] یہ ایک نہایت معزز و تعلیم یافتہ خاتون ہے عربی فارسی ترکی کے علاوہ جو ملکی اور دری زبان ہے فرنچ زبان نہایت عمدہ جانتی ہے یورپ کو ترکی خاتونوں کی نسبت جس قسم کی غلط معلومات حاصل ہیں۔ اُن کی اصلاح کے لیے اس نے ناول کے طور پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام نساء المسلمین ہے یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو گئی ہے اور امریکہ کی نمائش میں پیش ہو کر وہاں کے اہتمام سے انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا ہے۔ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا۔ اور محمدن پریس علی گڈھ میں چھپا ہے ✦

سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے تو مسلمانوں کی حالت یہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہے۔ صنعت سے اُن کو کچھ واسطہ نہیں۔ تجارت میں ان کا بہت کم حصہ ہے معمولی دکاندار تک یہودی یا عیسائی ہیں۔ پُرانی تعلیم نہایت ابتر ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت یہاں ہے وہاں بھی ہے۔ پُرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے اور دونوں سے ملکر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا ہے۔ پُرانے خیال والے ابھی تک زمانہ کی رفتار سے بے خبر ہیں۔ نئے مذاق کے لوگ جس قدر کہتے ہیں کرتے نہیں۔ ہمت۔ غیرت۔ جوش۔ عزم۔ استقلال کے بجائے کل قوم پر (من حیث الاغلب) افسردگی سی چھائی ہوئی ہے۔ جو شخص جس حال میں ہے اُسی پر قانع ہے۔ موجودہ حالت تو یہ ہے۔ ولعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔

تمّت بالخیر

سفر کا ارادہ اور آغاز

جس زمانہ میں مجھ کو ہیروز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا اُسی وقت یہ خیال بھی آیا۔ کہ ہمارے ملک میں جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اِس مقصد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتا۔ یہی خیال تھا جس نے اوّل اوّل اِس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے اُن سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور طیار ہوسکتا ہے۔

اگرچہ یہ عزم مستقل ہوچکا تھا لیکن چند در چند اسباب سے دیر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ بظاہر اسباب ناامیدی سی پیدا ہوگئی۔ اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا۔ گذشتہ سال میں عجیب اتفاقی طور پر اس ارادہ کو تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا۔ یہاں تک کہ علاج سے تنگ آکر تبدیل آب ہوا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کے لئے الموڑہ اور کشمیر میں دوستوں کو متعدد خط لکھے اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ۔ جو مدرسۃ العلوم کے پروفیسر فلاسفی اور میرے اُستاد ہیں (میں نے اُن سے فرنچ زبان سیکھی ہے) آج ہی کل ولایت جانے والے ہیں۔ دفعتاً خیال آیا کہ مصر و روم کا سفر۔ آب ہوا کی تبدیل۔ مسٹر آرنلڈ کا ساتھ۔ اتفاق سے یہ سامان جمع ہوگئے ہیں۔ اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔ چنانچہ اُسی وقت صاحب موصوف کے پاس گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اُنہوں نے نہایت خوشی ظاہر کی اور فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہے سفر کے ضروری کاموں میں تم کو کافی مدد دونگا۔

اُس وقت جہاز کی روانگی کو کل تین چار روز باقی تھے احباب اور اعزہ نے سُنا تو سخت متعجب ہوئے اور اکثروں نے سمجھایا کہ اِس جلدی اور بے سروسامانی کے ساتھ اتنا بڑا لمبا سفر کونسی دانشمندی کی بات ہے میں نے کہا ع

ہرچہ بادا باد من کشتی در آب انداختم

کالج میں گرمیوں کی تعطیل معمولاً تین مہینے کی ہوا کرتی ہے۔ مدّت ملازمت کے لحاظ سے مجھ کو تین مہینے کی پریولیج رخصت کا حق حاصل تھا۔ اِس طرح دونوں کو ملا کر چھ مہینے کی رخصت

مل گئی اور ۲۶ اپریل ۱۸۹۲ء کو میں علی گڑھ سے چل کھڑا ہوا۔ مسٹر آرنلڈ اپنے ایک دوست سے ملنے کے لئے ایک دو دن پہلے جھانسی روانہ ہو گئے تھے۔ جھانسی کے اسٹیشن سے اُن کا ساتھ ہوا۔ اور تمام راہ بڑے لطف و مسرت سے کٹی۔ مسٹر آرنلڈ نے حاجی رحمت اللہ بن داؤد کو جو بمبئی کے ایک معزز اور روشن ضمیر تاجر ہیں خط کے ذریعہ سے اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی جس میں میری معیت کا بھی ذکر تھا چونکہ اتفاقاً ہمارے پہلے انتظام میں کسی قدر تبدیلی ہو گئی ہم لوگ تاریخ معینہ کے دو دن بعد بمبئی پہونچے۔ مسٹر آرنلڈ میرا اور اپنا اسباب لیکر وسٹن ہوٹل کو گئے۔ میں بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تم حاجی رحمت اللہ کو جانتے ہو۔ بولا کہ آپ مولوی شبلی تو نہیں ہیں۔ میں اُسکے اس تفرس پر جو کشف سے کم نہ تھا حیرت زدہ ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم دو دن سے آپکے لئے حیران ہوتے ہیں چلئے حاجی صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حاجی صاحب نے مسٹر آرنلڈ کو بھی ہوٹل سے بلا لیا اور ہم دونوں اُن کے باغ میں ٹھیرے۔

جس روز ہم بمبئی پہونچے اُسکے دوسرے دن ہمارا جہاز روانہ ہونے کو تھا اس لیے ہم نے اپنا تمام وقت سفر کے ضروری کاموں میں صرف کیا اور بمبئی میں جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں اُن کی سیر نہ کر سکے۔ ٹکٹ کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا جس جہاز پر ہم جانے والے تھے اُس کا کرایہ پورٹ سعید تک سیکنڈ کلاس کا ۲۱۰ تھا میں نے یہ سخت غلطی کی کہ ریٹرن ٹکٹ نہیں لیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ واپسی کے وقت پورٹ سعید سے بمبئی تک کے ۲۱ پونڈ یعنی ساڑھے ۳۳۵ دینے پڑے۔ پہلی مئی کی صبح کو ۱۰ بجے ہم جہاز پر سوار ہوئے۔ قریباً بارہ بجے جہاز نے لنگر اٹھایا۔ اور ہم نے بسم اللہ مجریہا و مرسہا پڑھ کر ہندوستان کو خدا حافظ کہا۔ سیکنڈ کلاس میں صرف پانچ مسافر تھے اور یہ عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور مختلف نسل سے تھے یعنی ایک مسلمان۔ ایک انگریز۔ ایک پارسی۔ ایک اسپینر۔ ایک سیامی +

جہاز کی حرکت اول اول تو چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن شام کے قریب طبیعت

متغیر ہونی شروع ہوئی۔ رات کا کھانا کھا کر سو رہے۔ صبح کو آنکھ کھلی تو عجیب کیفیت تھی۔ دورانِ سر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف تھی جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی۔ دو دن غشی کی سی حالت رہی۔ جہاز کا ملازم کبھی کبھی نارنگیاں لاتا تھا۔ کہ کچھ کھالو۔ لیکن اِن چیزوں کے دیکھنے سے اُبکائی آتی تھی۔ مسٹر آرنلڈ چائے پی لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہضم نہیں ہوتی تھی۔ لیکن قَے کرنے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی تھی۔ ان کے اصرار سے میں نے بھی دو ایک بار چائے پی کر قے کی اور فائدہ محسوس ہوا۔ تیسرے دن ہم سب اُٹھ بیٹھے۔ ہم سُنا کرتے تھے کہ سمندر کی ہوا تندرستی کے لئے نہایت مُفید ہے۔ درحقیقت جہاز کا سفر سو علاجوں کا ایک علاج ہے۔ میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تھا۔ لیکن روز بروز چاق و چُست ہوتا گیا۔ طبیعت کو ہر وقت نشاط رہتا تھا اور بھوک خوب لگتی تھی۔ ہم لوگوں کو پانچ وقت کھانا ملتا تھا۔ یعنے صبح کو آٹھ بجے چائے۔ دودھ۔ بسکٹ۔ گیارہ بجے معمولی کھانا۔ جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ایک بجے ٹفن۔ پانچ بجے ڈنر جس میں معمولی گوشت کے علاوہ مرغ۔ بط۔ کبوتر۔ ہر قسم کی پڈنگ۔ تر اور خشک میوے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی برف کی قُلفیاں بھی ہوتی تھیں۔ رات کو نو بجے چائے اور مکھن۔ ہر وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے تھے اور سب ہضم ہو جاتا تھا ÷

ایک عیسائی کا عربی زبان کے ساتھ تعصب

میں تمام دن دریا کے سیر و تماشے میں مشغول رہتا تھا۔ مسٹر آرنلڈ نے عربی پڑھنی شروع کر دی تھی۔ ہمارے ساتھ جو اسپین کا عیسائی تھا۔ مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑھنے سے بہت جلتا تھا۔ اکثر اُن کے پاس آتا اور تحقیر کے ساتھ عربی حرفوں کو نہایت بُرے لہجہ سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان اونٹوں کی زبان ہے۔ اگرچہ مجھ کو اُس کی اِن حرکتوں سے رنج ہوتا تھا۔ لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھ عرب کے زیر دست رہ چکی تھی عرب اور عربی زبان کے ساتھ اُس کا یہ سلوک بیجا نہ تھا ÷

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرند جانور ذبح نہیں کئے جاتے اور مولوی سمیع اللہ خاں صاحب نے اپنے سفرنامہ میں تجربہ سے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ میں نے دو تین روز تک پرند کے گوشت کھانے سے پرہیز کیا۔ مسٹر آرنلڈ نے مجھ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں منخنقہ حرام ہے۔ بولے کہ اس جہاز پر ذبح کئے جاتے ہیں۔ گردن مروڑ کر مارے نہیں جاتے۔ چونکہ شرعاً ان کی تنہا شہادت کافی نہ تھی۔ میں خود گیا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ ذبح کرنیوالا عیسائی تھا وہ ذبح کرنے کے وقت کچھ پڑھتا نہ تھا۔ صرف گردن پر چھری پھیر دیتا تھا۔ اگرچہ حنفیوں کے ہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کے لئے میں شافعی بن گیا تھا۔ جن کے ہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے +

جہاز پر مسٹر آرنلڈ وہ آرنلڈ نہیں رہے تھے جو علی گڈھ میں تھے۔ نہ وہ متانت تھی نہ وہ کم آمیزی۔ اکثر ہنسی مذاق کیا کرتے۔ بچوں سے کھیلتے اور جہاز کی چھت پر اچھلتے کودتے چلتے۔ میں نے حالات سفر کے متعلق ایک قصیدہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور درحقیقت سمندر کی فضا کچھ ایسی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے کہ موزون طبع آدمی جہاز کے سفر میں خواہ مخواہ گنگنا اٹھتا ہے +

٧ مئی ١٨٩٢ء کو جہاز عدن پہنچا اور کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔ عدن میں بڑی دلچسپی یہ ہے کہ سمالی قوم کے بہت سے لڑکے ڈونگیوں پر سوار جہاز کے قریب آتے ہیں اور جہاز والوں سے انعام لینے کے لئے عجیب عجیب مبتذل حرکتیں کرتے ہیں۔ کچھ ناچتے گاتے ہیں۔ کچھ آپس میں مل کر چند بے معنی الفاظ کہتے ہیں اور بغلیں بجاتے جاتے ہیں۔ بڑا کمال یہ ہے کہ لوگ دوانی۔ چونی۔ پیسے جو کچھ انعام دینا چاہتے ہیں۔ سمندر میں پھینک دیتے ہیں اور وہ غوطے مار کر نکال لاتے ہیں۔ اکثر انگریز اس تماشے میں مصروف تھے اور آرنلڈ کو بھی اس میں مزا آتا تھا۔ لیکن میری کچھ اور حالت تھی چونکہ غلطی سے میرا یہ خیال تھا کہ یہاں عموماً عرب آباد ہیں۔ اس لئے یہ طبعی بات تھی کہ میں

جہاز پر جانور ذبح کئے جانے کا مسئلہ

عدن اور جہاز کے قریب لڑکوں کا تماشا

اُن کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا۔ لیکن وہ انعام لینے کے لئے ایسی مبتذل۔
ناموزون اور حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسی طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ عبرت
ہوتی تھی کہ عرب کی اب یہ حالت ہے کہ غیروں کے سامنے اس قسم کی حرکات سے اُن کو شرم نہیں
آتی۔ ان خیالات سے بے اختیار میرا دل بھر آتا تھا یہاں تک کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور
بے اختیار زبان سے نکلا کہ قمریا عمر۔ آرنلڈ پاس تھے میری تغیر حالت پر ان کو خیال ہوا میں نے
دل کی کیفیت اور اُس کا سبب بیان کیا۔ ایک بار آنکھ اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور چُپ ہو
رہے شہر میں جا کر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ہوگیا کہ سمالی قوم عرب
نہیں ہے تو مجھ کو کسی قدر تسکین ہوئی۔ یہی غصہ اور رنج تھا جس کی وجہ سے میں نے قصیدہ
سفریہ میں اس کمبخت قوم کی سخت ہجو کی ہے اور درحقیقت وہ اس کے مستحق ہیں۔

چونکہ وقت کم تھا۔ اس لئے میں شہر کے اندرونی حصے کو نہ دیکھ سکا۔ ہندوستان کو
خط روانہ کئے۔ ایک خط کے سرنامے پر یہ اشعار لکھے جو اُسی وقت موزون ہوئے تھے۔

چوں کمر بستم بعزم ایں سفر از روی عزم	دشمن و ہم دوست را در پیچ و تاب انداختم
ہر کسے را ایں شگفت آمد کہ حاصل چیست زیں	تا چرا خود را بدیں ساں در عذاب انداختم
ہر یکے پندم ہمے داد و ہمے گفتے کہ من	زیں سخن از عارضِ معنی نقاب انداختم
چوں لجاجت را ز حد بردند گفتم بس کنید	ہر چہ بادا باد من کشتی در آب انداختم

عدن کی زبان عموماً عربی ہے۔ اور پارسی۔ ہندو۔ بنگالی۔ جو تجارت یا نوکری
کے ذریعے سے یہاں رہتے ہیں بے تکلف عربی بولتے ہیں۔ چونکہ میں نے کبھی کسی
ہندو کی زبان سے اس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سُنے تھے۔ بنیوں اور
بقالوں کو اینی تروح منا تبغی بولتے دیکھ کر عجب مزہ آتا تھا۔

یہاں کی زبان گو عربی ہے۔ لیکن نہایت بیہودہ اور غیر فصیح ہے۔ اگرچہ آج
کل تمام ملکوں میں جہاں عربی بولی جاتی ہے۔ قدیم عربی نہیں رہی۔ لیکن عدن کی

زبان سب سے نرالی ہے۔ دو چار معمولی الفاظ کے سوا میں کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ غالباً یہاں کی زبان ایک مدت سے اجنبیوں کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہوتے ہوتے اس حالت کو پہنچی ہے علامہ مقدسی جو عرب کا ایک نامور سیاح گزرا ہے اور جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں دنیا کا سفر کیا تھا اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ "عدن میں جو لوگ بستے ہیں اُن میں زیادہ اہل فارس ہیں" علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا کہ یہاں عموماً جیم کے بجائے کاف بولتے ہیں اور جلیبہ کے بجائے رجلیبہ وعلیٰ ہذا۔ جب علامہ موصوف کے عہد میں یہ حال تھا تو ہندوؤں اور گجراتیوں کے اختلاط کے بعد یہاں کی زبان کی نسبت کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

عدن میں ایک جرمنی ہمارے جہاز پر سوار ہوا جو جرمن کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ہے۔ اور مدت تک ان اطراف میں رہ کر یورپ کو واپس جا رہا ہے سیاحی و تجارت کی بدولت وہ متعدد زبانوں میں بے تکلف بات چیت کر سکتا ہے جب وہ جہاز کے افسروں سے اٹالین میں آرنلڈ سے انگریزی میں مجھ سے عربی میں گفتگو کرتا تھا تو مجھ کو سخت تعجب اور رشک ہوتا تھا کھانے کی میز پر جب ہم سب جمع ہوتے تھے تو یہی ایک شخص تھا جو سب کا ترجمان بنتا تھا اس نے عرب و افریقہ کے جنگلوں سے بہت سے عجیب و غریب جانور بہم پہنچائے ہیں ایک بڑے پنجرے میں افریقہ کے بندر تھے جن کی ہیئت معمولی بندروں سے کچھ الگ تھی۔ ان میں زیادہ تر تعجب انگیز یہ بات تھی۔ کہ جب وہ کسی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر غل مچاتے تھے۔ تو ان کی آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے تھے میں نے اولاً خیال کیا کہ ہم لوگ جس طرح مثلاً بلی کی آواز کو میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کے فرضی الفاظ ہیں لیکن چند بار میں نے غور سے سنا تو صاف صاف ل اور یا کی سی آواز محسوس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پردے سے سنتا تو ہرگز خیال نہ کر سکتا کہ بندر کی آواز ہے میں نے مسٹر آرنلڈ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی

عجیب و غریب جانور

تصدیق کی۔ غالباً اسی قسم کی مثالوں سے یورپ میں بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہے کہ بندر بھی بول سکتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک صاحب نے مدت کے تجربے اور تحقیق کے بعد اس زبان کے چند حروف دریافت کئے ہیں *

عدن سے چونکہ دلچسپی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی دن ایک پُرخطر واقعہ پیش آیا جس نے تھوڑی دیر تک مجھ کو سخت پریشان رکھا۔ ۱۰ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے۔ انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے سے چل رہا تھا۔ میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔ اسی اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے! بولے کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے! فرمایا کہ جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے اور ایسے قابلِ قدر وقت کو رائگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے۔ ان کے استقلال اور جرأت سے مجھ کو بھی اطمینان ہوا۔ آٹھ گھنٹے کے بعد انجن درست ہوا اور بدستور چلنے لگا *

۱۲ مئی کو جہاز سویز پہنچا اور تین چار گھنٹے کے لئے ٹھیرا۔ مصری عرب پنیر، کھجور، روٹیاں بیچنے کے لئے لائے۔ ان میں سے ایک نے مجھ کو ہندوستانی خیال کر کے اردو میں باتیں کرنی شروع کیں۔ مجھ کو تعجب ہوا۔ اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اس نے کبھی ہندوستان کی صورت نہیں دیکھی۔ تو اردو کی عالمگیری پر تعجب اور بھی تعجب ہوا۔ ۱۳ مئی کو ہم پورٹ سعید پہونچے اور نہایت افسوس کے ساتھ مجھ کو مسٹر آرنلڈ سے جدا ہونا پڑا۔ بمبئی سے میں نے برنڈزی

تک کا ٹکٹ لیا تھا۔ پورٹ سعید پہونچکر یہ خیال ہوا کہ برنڈزی تک تو آرنلڈ کا ساتھ ہے لیکن وہاں سے قسطنطنیہ تک ایک ہفتہ کا سفر ہے۔ اتنی مدت تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور زبان اور مُلک کی اجنبیت کی وجہ سے ہر کام میں دقّت ہوگی۔ اس خیال کی بنا پر میں نے پہلی اسکیم بالکل بدلدی اور ارادہ کرلیا کہ شام کے راستے سے قسطنطنیہ جاؤنگا +

جہاز نے جس وقت لنگر کیا۔ کک کمپنی کا ایک ملازم اپنے مسافروں کی خبر گیری کے لئے جہاز پر آیا۔ جہاز کنارے سے ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے مسافروں کے اُتارنے کے لئے کک کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی ہمیشہ طیار رہتی ہے۔ ان بندرگاہوں میں جہاز سے اُترنے کے وقت ناتجربہ کار آدمی کو سخت مصیبت پیش آتی ہے جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھ قلی اور ملاح ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں اور مسافروں کو سخت پریشاں کرتے ہیں۔ ان کے ہجوم، شور و غل اور اسباب کی چھینا جھپٹی میں۔ مسافر بالکل بدحواس ہوجاتا ہے۔ ہزار وقت کنارے پر پہونچا تو گھنٹوں کرایہ کی بحث اور تکرار رہتی ہے۔ ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ کک کمپنی کے ملازموں کے سوا۔ اور کسی سے کچھ واسطہ نہ رکھے +

ہم کنارے پر پہونچے تو شیمویل نے جو پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا بڑھ کر ہم سے شیک ہینڈ کی۔ یہ شخص قوم کا یہودی ہے اور کک کمپنی کی طرف سے مسافروں کی خبر گیری اور ہر قسم کی مدد دینے کے لئے متعین ہے۔ وہ متعدد زبانیں جانتا ہے اور بالخصوص عربی۔ انگریزی۔ فرنچ۔ نہایت بے تکلفی سے بول سکتا ہے لطف یہ ہے کہ اُردو میں بھی نہایت آسانی سے بات چیت کرسکتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مُدت تک ہندوستان میں رہ چکا ہے ہم اُس کے ساتھ دفتر میں گئے۔ دفتر کا مکان برلب دریا ہے اور میز کرسیوں سے اچھی طرح آراستہ ہے۔ میز پر ہمیشہ بہت سے اخبارات موجود رہتے ہیں۔ جن میں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں اور اشتہارات

ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے اس سے ٹکٹ بدلوانے کی بابت گفتگو کی یعنی
یہ کہ اگر ہم یہاں اُتر جائیں اور قسطنطنیہ کا نیا ٹکٹ لیں تو جو زائد کرایہ ہم برانڈزی تک
دے چکے ہیں وہ پھیرا مل سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ وہ خود اس کا جواب نہیں دے
سکتا تھا کمپنی کے بڑے دفتر میں گیا اور وہاں سے واپس آکر کہا کہ تم اُسی ٹکٹ سے
قسطنطنیہ جا سکتے ہو۔ صرف دو پونڈ یعنی ۳۲ روپیہ اور دینے ہونگے میں بہت
خوش ہوا اور اس کارگزاری کے صلے میں آٹھ روپیہ اس کے نذر کئے۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ
قسطنطنیہ جانے والا جہاز اُس وقت طیار تھا ورنہ پندرہ دن تک پورٹ سعید میں ٹھیرنا پڑتا۔

پورٹ سعید ایک چھوٹا سا خوبصورت بندرگاہ ہے۔ آبادی کے دو حصے ہیں (پورٹ سعید)
ایک حصہ دریا سے متصل ہے اس میں عموماً یورپین سوداگر رہتے ہیں اور نہایت بڑے بڑے
ہوٹل قہوہ خانے اور تھیئٹر وغیرہ ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے
اور نہایت پُرفضا ہے۔ نہایت تزئین کے ساتھ سنگ مرمر کی تختے کی چھوٹی چھوٹی میزیں
اور ان کے گرد کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ قہوہ۔ چائے۔ توس مکھن۔ ہر وقت طیار رہتا
ہے۔ اس حصے میں کثرت سے دکانیں ہیں اور نہایت شاندار اور آراستہ ہیں۔ دوسرے
حصے میں زیادہ تر یہاں کے اصلی باشندے سکونت رکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ تمام
چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں ہوٹل کے بجائے باورچیوں کی کثیف دوکانیں ہیں۔

اوّل اوّل جب میں اس شہر کی سیر کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراب کی نگاہ
سے دیکھتا تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلام کی آبادی دیکھی (حرمین شریفین
کی زیارت گو اس سے پہلے مشرف ہو چکا تھا لیکن وہ خدا کا ملک ہے۔ اور میں دنیوی سلطنت اور
حکومت کا ذکر کر رہا ہوں) جب کوئی بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش
ہوتا کہ الحمدللہ ان ملکوں میں مسلمان خوشحال اور دولتمند ہیں۔ لیکن دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ
کسی یورپین سوداگر کا مکان ہے۔ سارے شہر میں ایک بھی عمدہ دکان یا بلند عمارت کسی مسلمان

کی نہ تھی۔ افسوس ع بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست + البتہ یورپین آبادی کے خاتمے پر ایک شاہی مسجد ہے اور وہ بہت پر رفعت اور شاندار ہے +

تھوڑی دیر بازار میں پھر پھرا کر قسطنطنیہ جانے والے جہاز پر سوار ہوا۔ شیمویل اور مسٹر آرنلڈ ساتھ تھے۔ چونکہ بیت المقدس کے حج کا زمانہ تھا۔ اس لئے فرسٹ اور سکنڈ دونوں درجے عیسائی حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مسٹر آرنلڈ نے کہا مجھ کو ڈر ہے کہ تم کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں اور اس لئے ضرور ہے کہ ان میں تعصب ہو تم غیر مذہب غیر قوم۔ تمہاری معیت ان کو کیونکر گوارا ہوگی لیکن مجھ کو تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ کا خیال صحیح نہ تھا۔ وہ لوگ پابند مذہب تھے۔ لیکن فرنچ اور اٹالین تھے۔ انگریز نہ تھے اس لئے کم آمیزی اور فاتح و مفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کی مخصوص صفتیں ہیں اُن میں بالکل نہ تھیں مسٹر آرنلڈ تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ میں نے اُن کو خدا حافظ کہا اور ساتھ ہی یہ فکر پیدا ہوئی کہ دیکھئے تنہائی میں اب کیونکر گزرتی ہے +

۱۵ مئی کو جہاز یافہ پہونچا۔ ہمارے اکثر یورپین ہم سفر یہاں اُتر گئے۔ بیت المقدس یہاں سے صرف رات بھر کا راستہ ہے۔ چونکہ وقت کم تھا۔ اس لئے میں یہاں اُتر نہ سکا +

۱۶ مئی کو بیروت پہنچے۔ یہاں جہاز عموماً دو پہر سے کم نہیں ٹھیرتا۔ چونکہ یہ ایک تاریخی مقام اور نہایت قدیم شہر ہے اس لئے میں اُس کے دیکھنے کا بہت شائق تھا۔ کنارے پر پہنچکر بڑی دقت پیش آئی۔ کہ وہاں تذکرہ یعنی پروانہ راہداری کے بغیر کسی کو اترنے نہیں دیتے تھے میں ہندوستان سے اس عجلت میں چلا تھا کہ پاسپورٹ لینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پہلے تو میں بہت گھبرایا کہ افسوس یہ سیر مفت میں رہی جاتی ہے۔ لیکن پھر خیال آیا اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتا صرف سیر کرنی مقصود ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے خدا جانے کیونکر پہچانا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ غریب الوطن سمجھ کر مہربانی کی اور ایک آدمی ساتھ کر دیا۔ کہ یہ شہر کی سیر کرا دیگا +

بیروت کی سیر

چونکہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کہ قسطنطنیہ سے واپس آتے ہوئے یہاں دو ایک روز قیام کرونگا۔ اِس لئے اِس دفعہ صرف سرسری طور پر بازار وغیرہ کی سیر کی۔ کتابوں کی دُکانیں دیکھیں۔ گزرگاہ عام پر ایک قہوہ خانہ تھا۔ تھوڑی دیر تک وہاں ٹھیرا۔ اور راہ چلتوں کا تماشا دیکھتا رہا جب کوئی شخص شان و شوکت کے ساتھ گاڑی یا گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا۔ تو میں اپنے رہنما سے پوچھتا کہ کون ہے؟ اور اکثر وہ یہ جواب دیتا کہ "عیسائی" +

یہاں سب سے زیادہ مجھ کو یہ بات پسند آئی۔ کہ تمام دکاندار اور پیشے والے حتیٰ کہ قلی اور مزدور بھی نہایت خوش وضع اور پاکیزہ لباس تھے۔ تین چار گھنٹے اِدھر اُدھر پھر کر واپس آیا۔ ایک اٹھنی رہنما صاحب کی نذر کی اور اُن سے رخصت ہو کر جہاز پر پہونچا +

پورٹ سعید سے حالت سفر میں ایک تغیر۔

پورٹ سعید سے سفر کی حالت میں جو تجدد ہوا وہ یہ تھا۔ کہ بمبئی سے پورٹ سعید تک جہاز پر کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہاں پہنچکر دو ایک مسلمان نظر آئے اور بیروت میں تو سارا جہاز شامی عربوں سے بھر گیا۔ بدقسمتی سے فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کو تو یہ عزت نصیب نہیں ہوئی لیکن تیسرے درجے میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تھے۔ میں شروع سفر سے مسلمانوں کی صورت کو ترس گیا تھا۔ یہ مجمع دیکھ کر حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ فرسٹ کلاس کی چھت نہایت صاف اور پُرفضا جگہ تھی اور میں اکثر وہیں بیٹھ کر دریا کی سیر کیا کرتا تھا لیکن جب یہ صحبت نصیب ہوئی تو میں نے بھول کر بھی اُدھر قدم نہیں رکھا +

اول اول مجھ کو اِن لوگوں سے میل جول پیدا کرنے میں سخت دقت پیش آئی۔ یہ لوگ چھت پر جا بجا پھیلے ہوئے تھے اور دو دو چار چار آدمیوں کی الگ الگ جماعتیں تھیں میں بڑے شوق سے اُن کے پاس گیا لیکن وہ مطلقاً متوجہ نہ ہوئے جس شخص کے پاس کھڑا ہوا اُس نے ایکبار آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور گردن نیچی کر لی۔ مجھ کو اس بداخلاقی پر سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتا تھا کہ عربوں کی مہمان نوازی کی یہ کچھ تعریفیں سُنی تھیں! ان کو تو بات چیت میں بھی مضائقہ ہے۔ اِن میں مدرسہ حربیہ کے چند طلبا تھے جو رخصت لیکر

وطن میں آئے تھے اور اب قسطنطنیہ جا رہے تھے وہ کبھی دل بہلانے کے لئے عربی دیوان پڑھا کرتے تھے میں نے خیال کیا کہ ہمفنی کے ذریعے سے تعارف پیدا کروں چنانچہ ان کے پاس گیا اور دخل در معقولات کے طور پر اپنی موزونیت اور علمیت جتانی شروع کی۔ وہ ہیں پھر بھی متوجہ نہ ہوئے میں اپنا سا منہ لیکر چلا آیا لیکن مجھ کو یقین تھا کہ اس واقعہ کا ضرور کوئی خاص سبب ہے اتفاقاً ایک موقع پر ایک شخص نے میرا مذہب پوچھا میں نے کہا "اسلام" بولا لا واللہ احد اطربوش المسلم یعنی ہرگز نہیں کیسی مسلمان بھی ایسی ٹوپی اوڑھتے ہیں؟ بدقسمتی سے میرے سر پر ایرانی ٹوپی تھی اور اس وجہ سے تمام عرب مجھ کو مجوسی سمجھتے تھے۔ یہ حجاب حل ہوا۔ تو میں نے اُن لوگوں کے دل سے اس بدگمانی کو رفع کر دیا۔ اور پھر وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ ایک دم کو مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مدرسہ حربیہ کے طلبا سے زیادہ صحبت رہتی تھی قسطنطنیہ کے متعلق میں نے بہت سی ضروری باتیں اُن سے دریافت کیں اور حقیقت ان جلوات سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا۔

اس بات کا اثر کہ اب ہم اسلامی دنیا میں ہیں جہاز پر بھی محسوس ہوتا تھا بمبئی سے سویز تک تھرڈ کلاس کے مسافروں کے ساتھ قلیوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا لیکن ان ممالک میں یہ حالت بالکل بدل گئی۔ جہاز کے افسر و ملازم جو عموماً یورپین ہیں ان مسافروں کو دل میں جو کچھ سمجھتے ہوں لیکن ظاہر میں ان سے کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتے تھے متعدد موقعے پیش آئے جنمیں میں نے دیکھا کہ زیادتی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتی تھی لیکن افسران جہاز کو اغماض کرنا پڑتا تھا۔

۱۷ مئی کو جہاز سائپرس پہونچا۔ یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے جو بحر روم میں واقع ہے اور جسکو عربی میں قبرس کہتے ہیں یہ جزیرہ اسلام کی قدیم فتوحات کی یادگار ہے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ۲۸ھ میں امیر معاویہ نے اس پر حملہ کیا شہر والوں نے اس پر صلح کی کہ جس طرح ہم سلطنت روم کو خراج دیتے ہیں تم کو بھی سات ہزار دو سو دینار سالانہ دیا کرینگے اور تم میں اور رومیوں میں کبھی جنگ ہوگی تو ہم کو کسی سے واسطہ نہ ہوگا۔ امیر معاویہ نے یہ شرط قبول کر لی لیکن ۳۲ھ ہجری میں ان لوگوں نے خلافِ عہد مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کو مدد دی امیر موصوف نے پانسو کشتیوں کے بیڑے

له جزائر قبرص کی [illegible]

کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی اور نہایت آسانی سے فتح کر لیا۔ تاہم تعداد خراج اور صلح کی شرطیں ٹھہری رہنے دیں۔ ان کے حکم سے بارہ ہزار عرب یہاں جا کر آباد ہوئے اور مکانات اور مسجدیں تعمیر کیں ایک مدت کے بعد یہ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور کئی بار فتح ہو ہو کر پھر نکل گیا۔ سب سے اخیر ترکوں نے ۱۵۷۱ء میں عیسائیوں سے واپس لیا اور اب تک انہی کے قبضہ میں تھا۔ روم و روس کی آخیر جنگ میں انگریزوں نے اس شرط پر لیا کہ سالانہ خراج جو سلطان کو ملتا تھا اب بھی ملتا رہیگا چنانچہ اب یہاں انگریزی حکومت اور انگریزی انتظام ہے +

اس جزیرہ میں لرنکہ۔ اور لماسول دو بڑے شہر ہیں اور دونوں جگہ جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے لنگر کرتا ہے۔ میں نے لماسول کی سیر کی۔ چونکہ یہاں انگریزی حکومت ہے اس لئے راہداری کے پروانہ کی پرسش جو نہ تھی میں داخل ہوا۔ تو میرے سر پر ایرانی ٹوپی اور بدن میں شیروانی اچکن بھی۔ غالباً وہاں کے لوگوں نے یہ وضع کبھی دیکھی نہ تھی۔ میں جدھر سے گزرتا لوگ تعجب سے دیکھتے اور کہیں کھڑا ہو جاتا تو تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ سب سے پہلے میں جامع مسجد میں گیا۔ مسجد کے متصل ایک مکتب ہے۔ وہاں ایک مولوی صاحب نہایت باوقار اور خوش لباس بچوں کو ابتدائی صفوں کو درس دے رہے تھے۔ میں نے سلام علیک کی۔ وہ کھڑے ہو گئے اور نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے تپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے میں بھی انکے برابر بیٹھ گیا مولوی صاحب کے اشارے سے ایک لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ میرے دل پر عجیب اثر ہوا۔ خیال آتا تھا کہ کہاں وہ حجاز کا ریگستان! کہاں بحر روم کے دور دراز جزیرے! اس مقدس کلام (قرآن) میں کیا تاثیر تھی کہ مشرق سے مغرب تک کی قوت بنکر دوڑ گئی اور آج تک باقی ہے۔ وہ معصوم لڑکا خوش لحن بھی تھا۔ اور اصول قرأت کے مطابق پڑھتا تھا۔ اتفاق سے آیتیں بھی مؤثر تھیں۔ ان باتوں نے مجھ کو بالکل مدہوش کر دیا اور دیر تک ایک عجیب حالت طاری رہی۔

اگرچہ پندرہ سولہ برس سے انگریز یہاں حکومت کر رہے ہیں لیکن حکمت عملی کے لحاظ سے طرز انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں۔ محکمہ قضا بالکل الگ ہے اور شرعی مقدمات سے

حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں۔ اتفاق سے مجھ کو قاضی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا نہایت خلیق اور باوقار آدمی ہیں تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ترکی انتظام کے مطابق ہے تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی سررشتہ تعلیم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس مکتب کا میں نے ابھی ذکر کیا اس میں قرآن مجید فقہ کا ابتدائی رسالہ تاریخ۔ جغرافیہ۔ درس میں داخل ہے اور تعلیم نہایت خوبی سے ہوتی ہے قسطنطنیہ سے واپسی کے وقت بھی میں اس مکتب میں گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور مدرس صاحب اس وقت تک تشریف نہیں لا چکے تھے دو ذہین لڑکے موجود تھے وہ نہایت ادب اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا وطن کہاں ہے؟ میں نے کہا ہندوستان۔ بولا ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ خاص شہر کا نام بتائیے؟ میں نے علی گڑھ کا نام لیا۔ کہنے لگا میں نقشہ میں دیکھتا ہوں کہاں واقع ہے۔ ہندوستان کا نقشہ سامنے آویزاں تھا۔ اس نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور فوراً علی گڑھ پر انگلی رکھ کر کہا "ہاں یہ ہے"۔ اس کی عمر نو دس برس سے زیادہ نہ تھی اس لئے مجھ کو اس کی اس تیزی اور یادداشت پر تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا تمہارا بادشاہ کون ہے؟ بولا "افندم"۔ آفندی ترکی زبان میں جناب مخدوم کے ہم معنی ہے اور جب میم متکلم کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ تو عموماً اس سے سلطان مراد ہوتے ہیں میں نے کہا "یہاں تو انگریز حکومت کر رہے ہیں"۔ بولا کہ "ہاں متاجری کے طور پر لیا ہے اور سالانہ خراج ادا کرتے ہیں"۔ انگریزوں کی حکمت عملی نہایت دانشمندانہ ہے کہ کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اس تدریج اور آہستگی سے کہ ملک والوں کو انقلاب حکومت کی خبر بھی نہیں ہوتی +

یہاں کی زبان ترکی ہے اور یہاں سے قسطنطنیہ تک ہر شہر اور قصبہ کی یہی زبان ہے۔ اس سے ترکوں کی حکومت کی سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ممالک مفتوحہ کی زبان تک بدل دی ایشیائے کوچک اتنا بڑا وسیع ملک ہے اور کثرت سے عیسائی آباد ہیں جنکی زبان کسی زمانہ میں یونانی یا لیٹن تھی لیکن اب تمام ملک میں ترکی بولی جاتی ہے۔ بیروت کے مولوی صاحب اور قاضی صاحب جن کا میں نے ذکر کیا۔ اگرچہ عربی بخوبی جانتے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے

البتہ معمولی جملے سمجھ لیتے تھے اور اسی سہارے پر میں نے اُن سے بات چیت کی تھی ۔

مجھ کو اس قدر قلیل زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کی حالت کا صحیح اندازہ تو کیا ہو سکتا تھا لیکن ظاہر طور سے قیاس ہوتا تھا کہ اچھی نہیں جس قدر بلند مکانات یا عمدہ دکانیں نظر آئیں دریافت سے معلوم ہوا کہ کل عیسائیوں کی ہیں ۔

۱۸ مئی کو جہاز رودس پہونچا اور تین چار گھنٹے ٹھیرا یہ چھوٹا سا جزیرہ ہے جسکی وسعت ہمارے قدیم مورخوں نے ساٹھ میل بیان کی ہے اور جغرافیہ مترجمہ سوسائٹی علیگڈھ میں طول چالیس میل اور عرض پندرہ میل لکھا ہے یہ بھی قدیم فتوحات میں سے ہے امیر معاویہ کے عہد میں ۵۲ھ میں فتح ہوا اور اسی وقت بہت سے مسلمان وہاں جا کر آباد ہوئے ۔ قدامت کے لحاظ سے میں اسکی سیر کا مشتاق تھا لیکن بدقسمتی سے رات کا وقت تھا اور جہاز والوں میں سے اور کسی نے میرا ساتھ نہ دیا ۔ زیادہ بدقسمتی یہ کہ واپسی کے وقت بھی اتفاق سے یہی اسباب پیش آئے اور اسکی سیر سے بالکل محروم رہ گیا ۔

۲۰ مئی صبح کے وقت ازمیر پہونچے ۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے جہاز دو روز تک یہاں مقیم رہا میں اپنے شامی دوستوں کے ساتھ جہاز سے اُترا کنارہ پر بھی تذکرہ راہداری کی بازپرس تھی لیکن ساتھیوں کی بدولت مجھ کو چنداں زحمت نہیں ہوئی ۔ یہ شہر جسکو انگریزی میں سمرنا کہتے ہیں ایشیائے کوچک کا صدر مقام ہے اور اس صوبے میں اس سے زیادہ وسیع اور آباد کوئی شہر نہیں ہے ۔ قدامت اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ایک یادگار مقام ہے ۔ ہومر یونان کا مشہور شاعر گزرا ہے اور جسکی نسبت یورپ کا خیال ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شاعر تھا اسکی قبر یہیں ہے ۔ سات مقدس گرجے جن کا ذکر انجیل کے سفر رویا میں ہے اُن میں سے ایک اسی شہر میں تھا ۔ زمانہ کے انقلابات نے اسکو دس دفعہ تباہ و برباد کیا تاہم اسکی موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے اطراف کی زمین نہایت سیر حاصل ہے اور خود شہر تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے ہمیشہ بیسیوں دُخانی اور بادبانی جہاز بندرگاہ میں موجود رہتے ہیں ریل بھی یہاں جاری ہے اور دو وقت یہاں سے ٹرین روانہ ہوتی ہے ۔

اسلامی آثار بکثرت ہیں ۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مسجدوں کی تعداد تین سو سے

کم نہیں جن میں بعض بڑی شوکت و شان کی ہیں +

جہاز سے ہم اُترے تو نہایت بلند اور شاندار عمارتوں کا سلسلہ نظر آیا جو دور تک بخط مستقیم دریا کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ یہ عمارتیں ہوٹل، قہوہ خانے، تھیٹر، ناچ گھر اور عیسائی تاجروں کی دکانیں ہیں اور نہایت خوش منظر اور پُرفضا ہیں رات کے وقت ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میلہ یا شادی کی تقریب ہے۔ قہوہ خانوں اور ناچ گھروں کے علاوہ سڑک پر کثرت سے مجمع رہتا ہے اور جدھر جاؤ نغمہ و سرود کی آواز آتی ہے۔ اس سلسلہ عمارات کے عقب میں عیسائیوں کا محلہ ہے اور اس قدر بلند اور عالیشان عمارتیں ہیں کہ میں نے اب تک کہیں نہیں دیکھیں اس محلہ کے تمام گلی کوچے نہایت صاف اور ہموار ہیں +

اس محلہ کی سیر سے فارغ ہو کر میں نے شہر کا رُخ کیا۔ شہر اگرچہ نہایت پر رونق ہے اور آدمیوں کی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا معلوم ہوتا ہے لیکن تمام سڑکیں ناہموار اور ناصاف ہیں اور گلی کوچوں میں تو نجاست اور کیچڑ کی وجہ سے رستہ چلنا مشکل ہے حقیقت یہ ہے کہ ان تمام ممالک میں میونسپلٹی کا انتظام نہایت خراب ہے اور حکومت ترک کے لئے یہ ایک نہایت قابل شرم بات ہے۔ چلتے چلتے ہمارے شامی دوستوں کو بھوک لگی اور ایک نان بائی کی دکان پر جا بیٹھے۔ مجھ کو اگرچہ اشتہا نہ تھی لیکن انکے اصرار سے شریک ہوا نان بائی کے لفظ سے ہمارے ناظرین کو ہندوستان کے نان بائیوں اور انکی ذلیل دکانوں کا خیال آیا ہوگا لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔ یہاں معمولی سے معمولی دکان کی آراستگی کی یہ صورت ہے کہ متعدد چھوٹی چھوٹی میزیں اور اُن کے گرد کرسیاں لگی ہیں میزوں پر نہایت صاف چادر بچھی ہوئی ہے دیوار کے ایک کونے میں ٹونٹی لگی ہے اور اس کے نیچے طشت اور دائیں طرف صابون اور تولیہ رکھا ہے یہ نہایت معمولی دکانوں کی کیفیت ہے اور بڑی بڑی دکانیں جن کو ہوٹل کہا جا سکتا ہے نہایت پُرتکلف اور پُرشان ہیں لیکن اس قسم کے جس قدر ہوٹل ہیں عموماً عیسائیوں کے ہیں +

میں نے مدرسوں کی سیر کرنی چاہی لیکن چونکہ جمعہ کا دن تھا تمام مدرسے بند تھے۔ نماز جمعہ جامع حصار میں پڑھی۔ یہ مسجد پُرتکلف اور آراستہ ہے۔ چھت پر طلائی نقش و نگار ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ صحن کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ستونوں پر گھنٹے لگے ہیں جن سے اوقات نماز

معلوم ہونیکے ساتھ مسجد کی زیبائش بھی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں اسکی تقلید کیجاتی تو اچھا ہوتا خطبہ و نماز میں یہاں بعض جدتیں ہیں۔ مگر نہ شریعت میں انکی کچھ اصل ہے نہ بجائے خود وہ موزوں ہیں خطیب جب خطبہ پڑھتا ہے تو بیچ بیچ میں رکتا جاتا ہے۔ اُس وقت چند اشخاص آواز ملاکر کچھ پڑھتے ہیں۔ یہ چپ ہوتے ہیں تو خطیب پھر شروع کرتا ہے اور اس طرح کئی بار اتفاق ہوتا ہے۔ نماز میں عموماً چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں جو تین چار آیتوں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ حالانکہ تمام دنیا میں جمعہ کی نماز میں بڑی سورتوں کے پڑھنے کا دستور ہے +

نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں کتبخانہ میں گیا۔ یہ کوئی بڑا کتبخانہ نہیں ہے مسجد کے کونے میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے اور کتابوں کی تین چار چھوٹی چھوٹی الماریاں ہیں۔ نماز کے بعد اکثر علما اور ارباب تصانیف یہاں آبیٹھتے ہیں۔ جس وقت میں پہونچا اصحاب ذیل تشریف فرما تھے۔ مولانا مصطفےٰ آفندی امام جامع مسجد و مدرس مدرسہ صبری آفندی مدرس مکتب اعدادی۔ مولانا سعید شکری بک حسنی آفندی سابق مہتمم تعلیمات سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے تھے اگر آپ پسند کریں تو وہ مسئلہ پھر چھیڑا جائے۔ میں نے خوشی سے منظور کیا۔ متعہ کے متعلق بحث تھی اور یہی مشہور شبہ پیش تھا کہ خود حضرت عمرؓ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانِ حیات تک جاری تھا۔ میں نے کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی اور تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا۔ یہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیئے میں فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ ان ملکوں میں بحث و مذاکرہ کا یہ طریقہ عموماً رایج ہے اور نہایت شائستہ طریقہ ہے اجنبی شخص کو علما کے گروہ سے ملنے اور اُن سے ربط و ضبط پیدا کرنیکا اس سے زیادہ آسان اور مفید کوئی ذریعہ نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ مناظرہ نفسانیت اور ترفع کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ اثنائے تقریر میں اگر ان کو انداز سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب اعتراض عہدہ برآ نہیں ہوسکتا تو قصداً دوسرا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی علمی مجلسیں اس سفر میں میری کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں اور بعض جگہ تو انہی کی بدولت مجھ کو ایسی دشواریوں سے نجات ملی جن سے رہائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی +

اہ مئی کو شام کے قریب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ یہاں سے قسطنطنیہ تک کوئی بڑا اسٹیشن نہیں ہے، بعض بعض مقامات پر جہاز تھوڑی دیر کے لئے ٹھیرا لیکن ہم اتر نہ سکے۔ یہ مقامات زیادہ تر جنگ کی ضرورتوں کے لئے ہیں اور ہر جگہ کثرت سے جنگی آلات فراہم ہیں۔ چناق قلعہ ایک مقام ہے جہاں نہایت مضبوط قلعہ ہے لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا عزم کیا تو اس وقت توپ اور گولے کا عام رواج نہ تھا۔ محمدؒ نے خود توپیں ڈھالیں اور مٹی کا گولہ بنوایا جن میں سے چند یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ گولے پختہ اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں۔ ازمیر سے قسطنطنیہ تک دریا کے دونوں طرف ایسے محفوظ قلعے اور دمدمے طیار کئے گئے ہیں اور اس کثرت سے سامانِ جنگ موجود ہے کہ قوی سے قوی سلطنت بھی اس راستے سے دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کر سکتی۔ یہ تمام قلعے اور دمدمے محمد فاتح کے عہد کے ہیں۔ یہ اولوالعزم شہنشاہ جب قسطنطنیہ کی تسخیر کے ارادے سے بڑھا تو راہ میں جابجا جنگی چھاؤنیاں بنوائیں اور قلعے اور دمدمے طیار کرائے لیکن یہ تمام تفصیل لوگوں کی زبانی روایت ہے میں نے تاریخ سے اسکی تصدیق نہیں کی ہے +

چناق قلعہ سے آگے بڑھ کر ہم نے ایک عجیب تماشا دیکھا جہاز تیزی سے جا رہا تھا کہ دور سے پانی میں ایک فوارہ سا چھوٹتا نظر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سامنے سے چار پانچ مچھلیاں جہاز کی طرف دوڑی آرہی ہیں۔ قریب آگئیں تو جہاز کے ساتھ ہولیں۔ اُن کا جسم پانی کی سطح سے صاف نظر آتا تھا جہاز اگرچہ نہایت تیزی سے جا رہا تھا لیکن وہ برابر ساتھ ساتھ آتی تھیں۔ کبھی کبھی جب سانس چڑھ جاتی تھی تو بڑے زور سے پھنکار مارتی تھیں۔ اُس وقت پانی میں فوارہ سا چھوٹتا نظر آتا تھا۔ قریباً دو تین میل تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑیں تمام لوگ حیرت سے تماشا دیکھتے تھے۔ بعضوں کو خیال ہوا کہ ان مچھلیوں نے کبھی جہاز کی صورت نہیں دیکھی تھی اس لئے اُسکو کوئی جانور سمجھیں اور مقابلے کے جوش میں چاہتی تھیں کہ جہاز اُن سے بڑھنے نہ پائے۔ واپسی کے وقت بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اور اس وقت دریافت سے معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک دفعہ اتفاق سے یہ مچھلیاں آگئی تھیں اور جہاز کے ملازموں نے انکے لئے کھانے کی کوئی چیز دریا میں ڈالدی تھی۔ اُسی کی طمع پر جب کوئی جہاز ادھر سے گذرتا

ہے تو اکثر یہ مچھلیاں آجاتی ہیں اور دور تک جہاز کے ساتھ دوڑتی ہیں +

۱۴ مئی صبح کے وقت قسطنطنیہ پہونچے۔ جہاز نے لنگر کیا یہ ایسا وقت تھا کہ مجھ کو منزل مقصود پر پہنچنے کی نہایت خوشی ہونی چاہئے تھی لیکن قلیوں اور ملاحوں کے ہنگامے اور شور وغل میں میرے حواس جاتے رہے۔ ملاحوں نے تمام جہاز گھیر لیا۔ ان کے شور وغل اور کشاکش سے ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا تھا۔ اور نہ کر سکتا تھا کہ جہاز سے اتر کر کہاں جاؤں۔ ہوٹل میرے مناسب حال نہ تھا اس کی وجہ آگے چل کر معلوم ہوگی، اور سراؤں پر ناواقفیت کی وجہ سے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ سخت مصیبت یہ ہوئی کہ شامی احباب جن سے ہر قسم کی مدد کی توقع ہو سکتی تھی اُن کو کالج میں پہونچنے کی جلدی تھی اس لیئے وہ میرا انتظار نہ کر سکے۔ مجھکو اکیلا پاکر ملاحوں اور قلیوں نے اور بھی دق کرنا شروع کیا۔ میرا اضطراب اس خیال سے اور بڑھتا جاتا تھا کہ جہاز پر زبان کی اجنبیت کی وجہ سے یہ وقت ہے تو شہر میں کیا حال ہوگا؟ اس لیت ولعل میں زیادہ دیر ہوتی جاتی تھی اکثر مسافر جہاز سے اُتر گئے اور اُترتے جاتے تھے۔ آخر خانساماں کو اسباب سپرد کیا اور اُس سے کہا کہ میں شہر کی سیر کر کے واپس آتا ہوں مقصد یہ تھا کہ پہلے شہر میں جاکر قیام کا کچھ انتظام کر آؤں تب اسباب جہاز سے اتاروں شام کے چند عربوں نے ایک کشتی کرایہ کی تھی میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ کنارے پر تذکرہ کی پُرسش ہوتی تھی۔ میں نے انگریزی چٹھیاں دکھائیں لیکن وہ پاسپورٹ مانگتے تھے۔ غرض بہزار دقت رہائی ہوئی۔ اب حیران تھا کہ کہاں جاؤں ایک شامی عرب جسکا نام عبدالفتاح تھا۔ کشتی میں تعارف ہوگیا تھا۔ میں نے ان سے اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ "آپ مجھ کو کوئی معقول طریقہ بتائیں"۔ انھوں نے کہا کہ "میری حالت بھی تمہارے قریب قریب ہے۔ اس لیئے بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ رہیں"۔ یہ طریقہ اگرچہ احتیاط کے خلاف تھا لیکن ناواقفیت اور اجنبیت زبان کی وجہ سے مجبوراً اختیار کرنا پڑا۔ اور سچ پوچھیے تو یہی اتفاقی معیت میری تمام کامیابیوں کا دیباچہ تھی +

یہاں مسافروں کے ٹھیرنے کے چند طریقے ہیں۔ سب سے زیادہ اطمینان اور آرام تو ہوٹلوں میں ہے لیکن اولاً تو انکا کرایہ ایک پونڈ یعنی ۱۵ روپے روزانہ سے کم نہیں۔ دوسرے اکثر بلکہ قریباً تمام عمدہ ہوٹل یورپین آبادی میں ہیں جو استنبول سے دور ہے اور جامع مسجدیں کتب خانے۔ مدرسے۔ مکاتب جس قدر ہیں سب استنبول میں ہیں +

ہوٹل کے بعد خانات یعنی سرائیں ہیں لیکن یہ سرائیں ہندوستان سے کچھ نسبت نہیں رکھتیں یہاں بڑی بڑی سراؤں میں جس قدر کمرے ہوتے ہیں عموماً وسیع اور پُر فضا ہوتے ہیں اور ان میں ہر وقت نواڑ کا پلنگ۔ توشک۔ چادر۔ لحاف اور اور ضروری چیزیں مہیا رہتی ہیں۔ ایک ایک کمرے میں کئی کئی پلنگ بچھتے ہیں۔ فی پلنگ آٹھ دس آنہ کرایہ ہوتا ہے +

تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں یہ مکانات اکثر دو منزلے سہ منزلے ہوتے ہیں ہر درجے میں متعدد کمرے اور ہر کمرے میں میز۔ کرسی۔ کوچ۔ لیمپ۔ فرش۔ پلنگ۔ توشک۔ لحاف تکیہ مہیا رہتا ہے۔ کرایہ فی کمرہ دس روپیہ ماہوار سے بیس تیس تک ہوتا ہے۔ ان مکانوں کے مالک یا اجارہ دار عموماً عیسائی ہیں۔ وہ خود بھی انہیں مکانوں میں رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے مسافروں کو بہت کچھ آرام ملتا ہے +

اگرچہ جیسا میں نے ابھی بیان کیا کرایہ کا مکان لینا زیادہ آرام کا طریقہ تھا لیکن میں اور میرے شامی دوست دونوں اس طریقہ سے ناواقف تھے اس لئے ایک خان یعنی سرائے میں جا کر ٹھیرے اس انتظام کی طرف سے اطمینان ہوا تو جہاز پر جا کر اپنا اسباب اٹھوا لایا چھ سات دن تک ہم اس خان میں رہے پھر باب عالی کے پاس ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے لیا +

خوش قسمتی سے شیخ عبدالفتاح جن کے ساتھ میں نے زبردستی دوستی پیدا کی تھی مجھے معزز خاندان کے آدمی نکلے دمشق میں حضرت خالد نقشبندی ایک بزرگ گزرے ہیں جن کے ساتھ یہاں کے لوگوں کو اس قدر ارادت ہے کہ ان کا نام نہیں لیتے بلکہ حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے خاک ہندوستان کے تربیت یافتہ یعنی حضرت مرزا

جان جاناں دہلوی کے مرید تھے۔ شیخ عبدالفتاح انہیں کے بھتیجے ہیں۔ اور اس تعلق سے لوگ انکی قدرو منزلت کرتے ہیں چونکہ قسطنطنیہ میں شامیوں کا ایک بڑا گروہ ہے دو ہی چار روز میں شیخ عبدالفتاح کی اکثر لوگوں سے شناسائی ہوگئی اور اُن کے ذریعے سے مجھ کو بھی اُن لوگوں سے تعارف ہوتا گیا

ایک دن شیخ علی ظبیان جنکے والد ایک مشہور صوفی ہیں۔ شیخ عبدالفتاح سے ملنے آئے میں بھی اُس وقت موجود تھا اور اتفاق سے رسالہ اسکات المتعدی جو میری قدیم تصنیف ہے اور عربی زبان میں ہے سامنے رکھا ہوا تھا اُنہوں نے اُٹھا کر دیکھا اور کہا کہ "آہا یہ رسالہ مدت ہوئی میں نے دمشق میں اپنے شیخ کے پاس دیکھا تھا تو اُنہوں نے اُسکے مصنف کی نسبت کہا تھا "شکر اللہ مساعیہ" شیخ علی ظبیان کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسالہ میری ہی تصنیف ہے تو اُٹھ کر بڑی گرمجوشی سے ملے اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آئے مجھ کو اس بات سے کہ میری ناچیز تصنیف یہاں تک پہنچی۔ اور لوگوں نے اس کو نگاہ قبول سے دیکھا نہایت مسرت ہوئی اور سفر کی کس مپرسی میں اتنا ذریعہ تعارف بہت غنیمت معلوم ہوا۔ شیخ علی ظبیان نوجوان آدمی ہیں۔ فقہ کی تحصیل شیخ عبدالرحمن سے کی ہے جو مصنف ردالمحتار (مشہور بہ شامی) کے نواسے اور شاگرد تھے۔ اگرچہ اُن کو اکثر علوم متداولہ میں دخل ہے لیکن ادب میں زیادہ مہارت ہے ایک غیر منقوطہ قصیدہ سلطان کی مدح میں پیش کیا تھا۔ جس پر اُن کو صلہ و انعام بھی عطا ہوا مدت سے درویش پاشا کے مہمان ہیں اور پاشائے موصوف اُن کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ رکھتے ہیں مجھ سے ان کا تعلق روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ باوجود بعد مسافت قریباً ہر روز میرے مکان پر تشریف لاتے اور کبھی کبھی تمام دن میرے پاس رہتے شیخ عبدالفتاح چند روز کے بعد دمشق کو واپس چلے گئے۔ اس وقت تنہائی میں شاید مجھ کو تکلیف پہونچتی۔ لیکن شیخ علی ظبیان کی غمگساریوں نے تمام تردداتِ دل سے دور کر دئیے۔

مکان جو ہم نے کرایہ پر لیا تھا۔ اگرچہ نہایت خوش فضا اور موزون تھا لیکن چونکہ مکان کا مالک (عارضی) نہایت بدمعاملہ اور آوارہ مزاج تھا چند روز کے بعد میں نے دوسرا

مکان کرایہ پر لیا اور اخیر تک وہیں رہا۔ یہاں مکان کی خوبی کے ساتھ بڑا آرام یہ تھا کہ مالک مکان ایک نیک مزاج عورت تھی۔ اگرچہ اُس کا مذہب عیسائی تھا اور قوم کی اٹالین تھی تاہم بقدر ضرورت عربی بول لیتی تھی اور مسلمانوں سے ایک خاص اُنس رکھتی تھی +

کھانے پینے کے انتظام کی ہم کو کچھ ضرورت نہ تھی۔ ہوٹل اور دُکانیں کثرت سے ہیں اور نہایت مرتب اور پُرتکلف ہیں۔ بازار میں کھانا یہاں مطلق عیب نہیں میں نے اکثر معزز عہدہ داروں کو ہوٹلوں میں کھاتے دیکھا۔ یہ ہوٹل عموماً عیسائیوں کے ہیں مسلمانوں کی دکانیں بجز اسکے کہ میز و کرسی وہاں بھی ہوتی ہے۔ باقی اور باتوں میں ہندوستان کی دُکانوں سے مشابہ ہیں۔

جہاز پر جو میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا قسطنطنیہ پہونچکر تمام ہوا۔ اس میں سفر کے حالات کا اجمالی خاکہ ہے۔ اور چونکہ ناظرین تمام حالات کی تفصیل سے واقف ہوکر قصیدہ کے قصہ طلب حوالے بخوبی سمجھ سکیں گے اور اُن کو زیادہ لطف و مزہ آئیگا۔ میں اس قصیدہ کو بتمامہ یہاں نقل کرتا ہوں +

قصیدہ

بعد تکمیل فن وہم پئے تحصیل عبر — روزگاریست کہ میداشتم آہنگ سفر

فارغ از حج و زیارت چو مرا کرد خدائے — خواستم تا بسوئے روم شوم راہ سپر

گرچہ من گرم طلب بودم و بس مستعجل — لیک تا خیر ہمی رفت بفرمان قدر

دیر آں مایہ شد آخر کہ حسوداں گفتند — کہ فلاں جز ہوس خام ندارد در سر

روم گوئی دو سہ گام ست کہ ایں خام طمع — بے تکلف بسفر جست ببست است کمر

رہ چنیں دور و دراز و سفر ایں مایہ خطیر — چوں میسر شود آں را کہ نہ زور است و نہ زر

من دریں غصہ و غم خون جگر می خوردم — ناگہاں شاہد مقصود درآمد از در ؟

اتفاقے عجبے گشت مرا عقدہ کشائے — کہ از و وہم و گماں نیز نمے داشت خبر

یک دو ہفتہ پیش زانکہ زنم کوس رحیل — بودم از زحمت تپ خستہ دل و تفتہ جگر

چون ستوه آمدم از تپ بدل آمد که مرا
عزم دیرینه بیاد آمد و گفتم چه خوش است
آرنلڈ آنکه رفیق است و ہم استاد مرا
گفتم این صحبت و این واقعه نادر افتند
چون ازین داعیه مردم ہمه آگه گشتند
ہمه را مهر بجنبید و بدرد آمد دل!
دل بهجران مده و سهم و خطر را مگذار
روزکے چند بیاسائے و پس ساز بده
یا خود از نقد و ہم از امتعه آن مایه بگیر
مصلحت نیست که این راه تو تنها سپری
گفتم این جمله که گفتید بود عین صلاح
مرد این مرحله گامے که فرا پیش نهاد
الغرض از رمضان بست و ششم بود که من
اوفتادم بره کوه و بیابان یک چند
زحمتے صعب کشیدیم بکشتی دو سه روز
کس نیارست سرش باز گرفت از بالین
بنود مایهٔ آزار بکشتی چیزے
نان خورش بود ز هر گونه مهیا ما را
گرچه من زان می پالوده نیالودم لب
ہفتم ماه مئی چون برسیدیم بعدن
من فرود آمدم و رو سوئے بشهر آوردم

چاره جز نقل مکان ہیچ نباشد ایدر
که بیک حیله دو تا کار برآرد دادر
ہم درین عرصه بانگلنڈ ہمی خواست سفر
پس بعزم سفر از جائے بجستم مضطر
ہم بیاران و عزیزان وطن رفت خبر
جمله گفتند که این زحمت بیهوده مبر
ور نخواہی که کشی پائے ازین راه گذر
ساز و برگ سفر آن گونه که باشد در خور
که اگر دیر بمانی نبود ہیچ خطر
لاجرم خادمکے نیز بهمراه ببر
لیک طالب نبود در کرد نفع و ضرر
باز پس مے نه کشد گر ہمه مرگ آرد بر
گرم برخاستم از جائے و شدم راه سپر
پس بکشتی بنشستم من و یاران دگر
بسکه از موج بهر لحظه شدی زیر و زبر
کس نیارست جدا کردنش از بستر
غیر ازین محنت سه روزه کز و نیست مفر
از کباب بره مرغ و مے و نقل شکر
دیگران لیک علی الرغم زدندے ساغر
کشتی آسود و بینداخت زمانے لنگر
تا خبر جوییم ازین مملکت از بدو حضر

کوهساریست که هرچند بلندست و فراخ ‌ ‌ ‌ لیک از سبزه و گل نیست درو هیچ اثر
هر کجا میگذرے ریگ روانست و خزف ‌ ‌ ‌ هر طرف می نگری خاک سیاهست و حجر
گبر و ترسا که نزیل اند دریں بقعه همه ‌ ‌ ‌ بزبان عربی حرف زدندی یکسر
مردم شهر که خود را به سمالی نامند ‌ ‌ ‌ حیوان اند نه بل از حیوان هم بدتر
خوار و بدبخت و تبه کار و سیه چرده و زشت ‌ ‌ ‌ سفله و ممتهن و کج روش و بدگوهر
خویشتن را به عرب بسته و حاشا که عرب ‌ ‌ ‌ ایں چنیں خوار و زبون شان بپسندد داور
چوں زبانِ همه تازی بود و هم چو عرب ‌ ‌ ‌ نام شان بسته بود بالقب جد و پدر
عامیان در غلط افتند و گماں باز برند ‌ ‌ ‌ که مگر در نسب و نسل ز معد اند و مضر
تخم و هم ریشهٔ ایں نخل ز خاکِ حبش است ‌ ‌ ‌ که دریں جائے ببار آمد و افشاند ثمر
شاه مکه کشتے ما باز برفتار آمد؟ ‌ ‌ ‌ تا به یک هفته گذر کرد ز بحر الاحمر
به سویز آمد و استاد و چناں زود گذشت ‌ ‌ ‌ که ز کیفیت و حالش نشدم هیچ خبر
ایں همان نهر عجیبست که زنیسان کاری ‌ ‌ ‌ جز در افسانهٔ پارین نشنیدیم دگر
بست فرسنگ دراز است و به پهنا چنداں ‌ ‌ ‌ که دو وابور تواند از و کرد گذر
مردی از اهل فرنسا که لسپس نام است ‌ ‌ ‌ زده این نقش و در فضائے جهاں گشت سمر
آں خرد در چو در آغاز بدعوی برخاست ‌ ‌ ‌ که تواں آمدن از عهدهٔ ایں کار بدر
مردمان سخره گرفتند بش و گفتند که ایں ‌ ‌ ‌ هرزه ایست که فرزانه ندارد باور
از مئی چاردهم بود که در پورٹ سعید ‌ ‌ ‌ برسیدیم و نشستیم به وابور دگر
در میان من و ارنلڈ بیفتاد فراق ‌ ‌ ‌ زانکه راه من و او گشت جدا زیں معبر
پورٹ جائیست که تا چشم و نگه کار کند ‌ ‌ ‌ زورق و کشتی و وابور بود سرتاسر
صد به بینی که برافراشته اینجا رایت ‌ ‌ ‌ صد به بینی که در انداخته آنجا لنگر
شاه مکه کشتی ما باز روان گشت و گذشت ‌ ‌ ‌ از ره یافه و پس کرد به بیروت مقر

من بساحل شدم و مروی از ابنائے حلب
خوب جائیست که نا خواسته در بازد دل
موضعی خرم و سیرے خوش و جائے دلکش
گبر و مسلم همه خوش جامه و موزون اندام
جا بجا شان بعرب مانند و در زی و لباس
چون برون رفتم ازین جائے و ازان چاره نبود
از مسی شانزدهم بود که گشتیم روان
این همان جای قبرس است که در عهد ما
حالیا دولت انگلند گرفتش از ترک
مسجد جامع و الوانک قبرس دیدم
رودس و سکز بره آمد و زان پس از میم
من سوی شهر روان گشتم و یک یک دیدم
فرض آدینه ادا کردم و از بعد نماز
مجلسے از فقها بود در آن جا و بهم
زان یکے ره بمن آورد که چونی چه کسے
گفتم از هندم و از خوان ادب زله ربا
گفت حالا سخن از متعه بمیرفت و تو هم
من بپاسخ در سخنے زدم و مستمعان
پس ز از میر روان گشتم و در عرض دو روز
مختصر گفته ام این حرف و تو هم میدانی
هر که جویا بود از حال من و حسله من

همرهم گشت و بهر جا جیدام شد رهبر
هر که سوز بدلش دارد و دردی بجگر
راه هموار و زمین پاک مکان خوش منظر
خاص و عامی همه گلگون تن و زیبا پیکر
هیچ فرقے ز مسلمان نبود تا کافر
پیش مے رفتم و بازم بقفا بود نظر
پس به قبرس برسیدیم بهنگام سحر
سپه رفت بتسخیرش و زد فال ظفر
لیک با صلح نه از یاورے تیغ و تبر
سیر این بقعه مرا بس عجب افزود عبر
گشتے استاده از میر دمشقی بر دو بهر
مسجد و مکتب و بازار و دره و کوچه و در
در کتب خانه سلطانیم افتاد گذر
بحث از متعه همیرفت و هم از قول عمرؓ
تا چرا برزده دامن محنت به کمر
طرفے مے برم از هر جهت و هر کشور
گر توانے سخنے گوے و شنالے آور
لب بتحسین بکشادند پس از بحث و نظر
طے شد این راه و بپایان برسید این قصه
که درین بادیه بس تنگ بود راه گذر
باید ش گفت که این نظم خواند یکسر

قسطنطنیہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حالات

قبل اسکے کہ میں یہاں سے تفصیلی حالات جدا جدا عنوان سے بیان کروں ضرور ہے۔ کہ نہایت مختصر طور پر اسکی قدیم تاریخ اور اس کے ساتھ اسکی عام موجودہ حالت اجمال کے ساتھ بیان کروں۔ اس شہر کی ابتدائی تاریخ یعنے جب بزنطیاین کے نام سے پکارا جاتا تھا نہایت قدیم ہے زمانے سے اس کا نام قسطنطنیہ ہے اسکو بھی کچھ کم عرصہ نہیں گزرا ۳۳۰ء میں قسطنطین اعظم نے اسکی بنا ڈالی اور اس وقت سے محمد فاتح کے زمانے تک وہ قیصران روم کا پایۂ تخت رہا۔ انگریزی اور حال کی انگریزی اور حال کے اسلامی جغرافیوں میں اسکے حالات نہایت تفصیل سے ملتے ہیں۔ قدیم اسلامی جغرافیوں میں بھی اس کا ذکر ہے لیکن ابن بطوطہ کے سوا مجھ کو کوئی اسلامی مصنف معلوم نہیں جس نے اس زمانے کے واقعات چشم دید لکھے ہوں ابن بطوطہ نے ۷۳۳ھ میں اس شہر کو دیکھا اس وقت یہاں عیسائی حکومت تھی وہ لکھتا ہے کہ "یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے اور ایک نہر کے حائل ہونیکی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے ایک حصہ جو شہر کے شرقی کنارے پر ہے اسطنبول کہلاتا ہے اور قیصر روم اور ارکان دولت و امرا اسی حصے میں رہتے ہیں۔ دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں عموماً یورپ کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں جن کو [illegible] لکھتا ہے۔ ابن بطوطہ نے ان سوداگروں کی وسعت تجارت کی تعریف اور انکے میلے پن کی ہجو کی ہے وہ لکھتا ہے کہ "جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے علاوہ قریباً سو بڑے بڑے جہاز موجود تھے لیکن تمام بازار نہایت نجس اور کثیف ہے اور گرجے تک اس سے مستثنے نہیں"[1]

مسلمانوں نے قرن اول ہی میں اسکو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا تھا چنانچہ سب سے اول جس نے اسکی شہرپناہ کے آہنی دروازے پر تلوار ماری وہ عبداللہ بن المطلب۔ جو ولید بن عبدالملک کا سپہ سالار تھا اسکے بعد اور خلفا و سلاطین نے بھی اس پر حملے کئے۔ لیکن قیصران روم کا خاتمہ محمد فاتح کے ہاتھ سے ہونے والا تھا جس نے ۸۵۷ھ میں اس عظیم الشان

دار السلطنت پر صلیب کے بجائے علم اسلام بلند کیا۔ اس حیرت انگیز معرکہ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ عیسائیوں نے بندرگاہ کا راستہ دریا کی طرف سے روک رکھا تھا۔ ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اُس پر پانچ میل تک لکڑی کے تختے بچھا دیئے تھے اور جہازوں کو جن میں پہیئے لگا دیئے تھے اُس پر چلا کر تمام فوجیں گولڈن ہارن میں اُتار دیں۔ اس وقت اس نامور فاتح کی عمر کل ۲۰ برس کی تھی۔ اس فتح کا مادہ تاریخ "بلدۃ طیبۃ" ہے ٭

موجودہ حالت

موجودہ حالت یہ ہے کہ آبنائے باسفورس کی شاخ جو دور تک چلی گئی ہے یہ شہر اسکے دو کناروں پر آباد ہے اور اس وجہ سے اس کے دو حصے بن گئے ہیں ایک حصہ استنبول کہلاتا ہے اور تمام بڑی بڑی مسجدیں، کتب خانے، سلاطین کے مقبرے اسی حصہ میں ہیں مسلمانوں کی آبادی بھی کثرت سے یہیں ہے۔ دوسرا حصہ پیرہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے انتہائی جانب پر شکطاش وغیرہ واقع ہیں جہاں سلطان کا ایوان شاہی اور قصر عدالت ہے۔ پیرہ کی دوسری طرف غلطہ ہے اور چونکہ تمام بڑے بڑے یورپین سوداگر اور سفرائے سلطنت یہیں سکونت رکھتے ہیں اس کو یورپین آبادی کہنا زیادہ مناسب ہے ٭

کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی شہر قسطنطنیہ کی برابر خوش منظر نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ منظر کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوشنما ہونا خیال میں بھی نظر نہیں آتا۔ اسی لحاظ سے اس کی بندرگاہ کو انگریزی میں گولڈن ہارن یعنی شاخ زرین کہتے ہیں۔ کہیں کہیں دریا کے کنارے پر عمارتوں کا سلسلہ ہے اور دور تک چلا گیا ہے۔ عمارتوں کے آگے جو زمین ہے۔ وہ نہایت ہموار اور صاف ہے اسکی سطح سمندر کی سطح کے بالکل برابر ہے اور وہاں عجیب خوشنما منظر پیدا ہو گیا ہے ٭

شہر کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاص استنبول میں پانچ سو جامع مسجدیں۔ ۱۷۱ حمام۔ ۲۲۳ سرائیں۔ ۱۴۳ مدارس قدیم۔ ۵۰۰ مدارس جدیدہ۔ ۱۲ کالج۔ ۴۴ کتب خانے۔ ۳۰۵ خانقاہیں۔ ۴۸ چھاپے خانے ہیں کاروبار اور کثرت آمد و رفت کی یہ کیفیت

ہے کہ متعدد ٹرامویے گاڑیاں۔ بلکہ دخانی جہاز۔ زمین کے اندر کی ریل۔ معمولی ریلیں (جو ہر آدھ گھنٹے کے بعد چھوٹتی ہیں) ہر وقت چلتی رہتی ہیں اور باوجود اسکے سڑکوں پر پیادہ پا چلنے والوں کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ ہر وقت میلہ سا معلوم ہوتا ہے۔ غلطہ اور استنبول کے درمیان میں جو پل ہے اُس پر سے گذرنے کا محصول فی شخص ایک پیسہ ہے اسکی روزانہ آمدنی پانچ چھ ہزار روپے سے کم نہیں ہے +

قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں میرے تخمینہ میں چار پانچ ہزار سے کم نہ ہونگے بعض بعض نہایت عظیم الشان ہیں جنکی عمارتیں شاہی محل معلوم ہوتی ہیں۔ قہوہ خانوں میں ہمیشہ ہر قسم کے شربت اور چاے و قہوہ وغیرہ مہیا رہتا ہے۔ اکثر قہوہ خانے دریا کے ساحل پر اور بعض عین دریا میں ہیں جنکے لئے لکڑی کا پل بنا ہوا ہے۔ قہوہ خانوں میں روزانہ اخبارات بھی موجود رہتے ہیں۔ لوگ قہوہ پیتے جاتے ہیں اور اخبارات دیکھتے جاتے ہیں۔ قسطنطنیہ بلکہ ان تمام ممالک میں قہوہ خانے ضروریات زندگی میں محسوب ہیں میرے عرب احباب جب مجھسے سنتے تھے کہ ہندوستان میں اسکا رواج نہیں تو تعجب سے کہتے تھے بابش نیلدن یعنی وہاں لوگ جی کیونکر بہلاتے ہیں ان ملکوں میں دوستوں کے ملنے جلنے اور گرمی صحبت کے موقعے یہی قہوہ خانے ہیں +

قہوہ خانے

افسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو اِن باتوں کا ذوق نہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ اِس قسم کی عام صحبتیں زندگی کی دلچسپی کے لئے کس قدر ضروری ہیں۔ اور طبیعت کی شگفتگی پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے۔ دوستانہ مجلسیں ہمارے ہاں بھی ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے مکان پر دو چار احباب کبھی کبھی مِل بیٹھتے ہیں لیکن اس طریقے میں دو بڑے نقص ہیں۔ اولاً تو تفریح کے جلسے پُر فضا مقامات میں ہونے چاہئیں کہ تازہ اور لطیف ہوا کی وجہ سے صحت بدنی کو فائدہ پہونچے۔ دوسرے سخت خرابی یہ ہے کہ چونکہ یہ جلسے پرایوٹ جلسے ہوتے ہیں اس لئے اُن میں غیبت شکایت اور اِس قسم کی لغویات کے سوا اور کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ بخلاف

قہوہ خانوں کے جہاں مجمع عام کی وجہ سے اِس قسم کی باتوں کا موقع نہیں مِلسکتا قسطنطنیہ اور مصر میں میں ہمیشہ شام کے وقت دوستوں کے ساتھ قہوہ خانوں میں بیٹھا کرتا تھا لیکن میں نے کبھی اِس قسم کے تذکرے نہیں سُنے تفریح اور بذلہ سنجی کے سوا وہاں کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہو سکتا تھا +

یورپین اور ایشیائی تمدن کے نمونے

قسطنطنیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی کو یورپین اور ایشیائی تمدن کی تصویر ایک مرقع میں دیکھنی ہو تو یہاں دیکھ سکتا ہے۔ کتب فروشوں کی دکانوں کی سیر کرو تو ایک طرف ایک نہایت وسیع دکان ہے۔ سنگِ رخام کا فرش ہے۔ شیشہ کی نہایت خوبصورت الماریاں ہیں کتابیں جس قدر ہیں مجلد اور جلدیں بھی معمولی نہیں۔ بلکہ عموماً مطلا و مذہب۔ مالکِ دکان میز کرسی لگائے بیٹھا ہے۔ دو تین کم سن خوش لباس لڑکے اِدھر اُدھر کام میں لگے ہیں۔ تم نے دکان میں قدم رکھا ایک لڑکے نے کرسی لاکر سامنے رکھدی اور کتابوں کی فہرست حوالہ کی۔ قیمت فہرست میں مذکور ہے اور اُس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں +

دوسری طرف سڑک کے کنارے چبوتروں پر کتابوں کا بیقاعدہ ڈھیر لگا ہے زمین کا فرش اور وہ بھی اِس قدر مختصر کہ تین چار آدمی سے زیادہ کی گنجایش نہیں قیمت چکانے میں گھنٹوں کا عرصہ درکار ہے +

اسی طرح ہر پیشہ و صنعت کی دکانیں۔ دونوں نمونہ کی موجود ہیں۔ عام صفائی اور زیب و زینت کا بھی یہی حال ہے غلطہ کو دیکھو تو یورپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ دکانیں بلند اور آراستہ سڑکیں وسیع اور ہموار۔ کیچڑ اور نجاست کا کہیں نام نہیں۔ بخلاف اسکے استنبول میں جہاں زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے اکثر سڑکیں ناصاف اور بعض بعض جگہ اِس قدر ناہموار کہ چلنا مشکل +

اختلافِ حالت کی وجہ۔

اس شہر میں آکر ایک سیاح کے دل میں غالباً جو خیال سب سے پہلے آتا ہو گا وہ یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے دو حصوں میں اِس قدر اختلافِ حالت کیوں ہے۔ چنانچہ میرے دل میں سب سے پہلے یہی خیال آیا میں نے اِس کے متعلق بہت کچھ بحث و تفتیش کی باشندوں

کے اختلاف حالت کا سبب تو میں نے آسانی سے معلوم کر لیا یعنی مسلمانوں کا افلاس اور دوسری قوموں کا تمول لیکن سڑکوں اور گزرگاہوں کی ناہمواری و غلاظت کا بظاہر یہ سبب قرار نہیں پاسکتا تھا اس لئے میں نے ایک معزز ترکی افسر یعنی حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ ہماری میونسپلٹی کے ٹیکس بہت کم ہیں۔ بہت سی چیزیں محصول سے معاف ہیں۔ لیکن غلطہ میں یورپین سوداگر خود اپنی خواہش سے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں اس لئے میونسپلٹی ان رقموں کو فیاضی سے صرف کر سکتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ وہی غلطہ ہے جسکی نسبت ابن بطوطہ نے نجاست اور میلے پن کی سخت شکایت کی ہے یا اب ان کو صفائی و پاکیزگی کا یہ اہتمام ہے کہ اس کے لئے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقگی آج کل یورپ کا خمیر بن گیا ہے ۔

عمارتوں کی وضع

یہاں کی عمارتیں ہندوستان کی عمارتوں سے بالکل جداوضع کی ہیں۔ مکانات عموماً سہ منزلہ چومنزلہ ہیں صحن مطلق نہیں ہوتا۔ عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے امراء اور پاشاؤں کے محل بھی لکڑی ہی کے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں اکثر آگ لگتی ہے۔ کوئی مہینہ بلکہ ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جلکر تباہ نہ ہوں اور کبھی کبھی تو محلے کے محلے جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔

آتش زدگی

آگ بجھانے کے لئے سلطنت کی طرف سے نہایت اہتمام ہے کئی سو آدمی خاص اس کام پر مقرر ہیں۔ ایک نہایت بلند منارہ بنا ہوا ہے جس پر چند ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جس وقت کہیں آگ لگتی دیکھیں فوراً خبر کریں۔ اس قسم کے اور بھی چھوٹے چھوٹے منارے جا بجا بنے ہوئے ہیں جس وقت کہیں آگ لگتی ہے فوراً توپیں سر ہوتی ہیں۔ اور شہر کے ہر حصے سے آگ بجھانے والے ملازم تمام آلات کے ساتھ موقع پر پہنچ جاتے ہیں ان کو حکم ہے کہ بے تحاشا دوڑتے جائیں۔ یہانتک کہ اگر کوئی راہ چلتا انکی جھپیٹ میں آکر پس جائے تو کچھ الزام نہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ پتھر کی عمارتیں کیوں نہیں بنتیں معلوم ہوا کہ سردی کے موسم میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے ۔

آب وہوا

آب وہوا یہاں کی نہایت عمدہ ہے۔ جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہے اور کبھی کبھی برف بھی گرتی ہے گرمیوں کا موسم جس کا مجھ کو خود تجربہ ہوا اس قدر خوش گوار ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ ہمارے یہاں کے امرا شملہ اور نینی تال کے بجائے قسطنطنیہ کا سفر کیوں نہیں کرتے۔ پانی پہاڑ سے آتا ہے اور نہایت ہاضم اور خوشگوار ہے +

میوہ جات

ہر قسم کے میوے کثرت سے ہیں اور خصوصاً انگور اور خربزہ بے مثل ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے خربزے لطافت میں تو شاید بڑھ کر ہوں لیکن شیرینی میں یہاں کے خربزوں کی برابری نہیں کر سکتے۔ امرود جس کو اہل عرب انجاص کہتے ہیں عجیب مخروطی شکل کے ہوتے ہیں۔ رنگ میں تو نہیں لیکن صورت میں گاجروں سے مشابہ مگر نہایت شیریں اور لذیذ۔ سیب کابل کے سیب سے بڑے اور زیادہ شیریں۔ ایک میوہ یہاں ہوتا ہے جس کو مشمش کہتے ہیں۔ وہ ہمارے یہاں کی جامن سے کچھ مشابہ ہے۔ ہر قسم کے میوے نہایت ارزاں ہیں۔ انگور ۲ ر سیر تک آتے ہیں سیب عمدہ سے عمدہ پیسے کے دو رطل علیٰ ہذا +

لباس اور وضع

لباس اور وضع بالکل یورپین ہے۔ ظاہری ہیئت سے کسی شخص کا مسلمان یا عیسائی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ لال ٹوپی جو ترکوں کا امتیازی لباس ہو سکتا تھا۔ عیسائی اور یہودی بھی استعمال کرتے ہیں اور اس وجہ سے دونوں قوموں میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ طریقہ ایک اعتبار سے تو اچھا ہے کیونکہ دنیا کی مختلف قوموں میں اختلاف کے آثار جس قدر مٹتے جائیں تمدن کے لئے مفید ہے لیکن سوشیل ضرورتوں میں اس سے سخت حرج ہوتا ہے مجھ کو اسکی وجہ سے اکثر دشواریاں پیش آئیں۔ اور ہمیشہ خیال آتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اگر عیسائیوں کو قومی لباس کی پابندی کا حکم دیا تو بہت بجا کیا۔ تعجب تر ہے کہ یہاں مذہبی گروہ یعنی علماء اور مدرسین بھی یورپ کے اثر سے نہیں بچ سکے۔ اُنکے پائجاموں میں پتلون کی طرح بٹن ہوتے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ اوپر گھیر ہوتا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ چنٹیں ہوتی ہیں۔ کرتہ یا اچکن کے بجائے صرف ایک کوٹ ہوتا ہے واسکوٹ کے اوپر عبا پہنتے ہیں اور یہی امتیازی علامت ہے جو ان کو اور گروہ کے

آدمیوں سے الگ کرتی ہے ۔ اس میں بھی یورپ کا یہ اثر ہے کہ عبا کے تکمے نہیں لگاتے ۔ اور سامنے سے واسکوٹ کھلا رہتا ہے ۔ ٹرکی ٹوپی عموماً یہ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس پر سپید کپڑے کی ایک دھجی لپٹی ہوتی ہے جس کو عربی میں لفہ کہتے ہیں اور وہ اہل علم کی خاص علامت خیال کیجاتی ہے ۔ عورتوں کے لباس کی تفصیل میں عورتوں کی تہذیب و معاشرت کے ذکر میں لکھونگا ۔

جوامع اور شاہی ایوانات

یہاں کی عمدہ اور یادگار عمارتیں ۔ جامع مسجدیں ۔ اور شاہی ایوانات ہیں جامع مسجدوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ جداگانہ عنوان سے آگے آئیگا شاہی ایوانات کو یہاں سرائے کہتے ہیں انکی تعداد بیس یا اکیس ہے اور سب دور دور فاصلے پر واقع ہیں ۔ عمارتیں مختلف سلاطین کے عہد کی ہیں اور نہایت عظمت و شان کی عمارتیں ہیں ایک ایوان میں لب دریا ہے جو سرتاپا سنگ خام کا ہے اور نہایت وسیع ۔ بلند ۔ خوشنما ہے ۔ حال میں شہنشاہ جرمن سلطان کا مہمان ہوا تھا تو اسی ایوان میں ٹھہرا تھا ۔

کوئی ٹاؤن ہال نہیں

یہ بات نہایت تعجب کی ہے کہ تمام شہر میں کوئی ٹاؤن ہال نہیں پبلک گارڈن یعنی باغ عامہ بھی ایسا مختصر ہے کہ اس عظیم الشان دار السلطنت کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ۔

عدالتیں

عدالتیں بجز دو تین کے سب یکجا واقع ہیں اور اس مجموعی عمارت کو باب عالی کہتے ہیں ۔ وزیر اعظم کا محکمہ بھی یہیں ہے ۔ یہ عمارتیں چنداں شاندار نہیں ہیں ۔ ہائی کورٹ جس کو یہاں محکمۃ التمیز کہتے ہیں باب عالی سے فاصلے پر ہے میں اسکے اندر تو نہیں گیا لیکن باہر سے بڑی شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے ۔ پولس کمشنر کی عدالت غلطہ میں ہے ۔ میں نے اس کی اچھی طرح سیر کی ۔ عمارت چنداں قابل ذکر نہیں ہے لیکن نہایت مرتب اور آراستہ ہے ۔ اجلاس کے کمرے میں بیش قیمت ترکی قالین بچھا ہوا ہے ۔ کرسیاں بھی نہایت خوبصورت اور موزوں ہیں ۔ معارف یعنی سررشتہ تعلیم کا محکمہ بھی میں نے دیکھا معمولی عمارت ہے لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوتی ہے ۔

ترقی تعلیم کالج اور اسکول

ترقی تعلیم

اس دور دراز سفر سے کتب خانوں کی سیر کے علاوہ اگر میرا کچھ اور مقصد ہو سکتا تھا تو یہاں کی طرز تعلیم اور ترقی تعلیم کا اندازہ کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اس پر نسبتاً اور تمام باتوں کے زیادہ توجہ کی اور جہاں تک ہو سکا کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن ناظرین کو امید نہ کرنی چاہیے کہ میں اپنے مقاصد میں پورا کامیاب بھی ہوا اور یہ کہ میری تعلیمی رپورٹ کوئی مکمل رپورٹ ہوگی تحقیقات کے لئے میں جو کوشش کر سکتا تھا وہ یہ تھی کہ چند بار سررشتہ تعلیم کے دفتر میں گیا۔ افسران تعلیم سے تحقیق طلب باتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے کالج اور اسکول خود جا کر دیکھے۔ ٹیچروں پروفیسروں سے ملا۔ کالجوں کی سالانہ رپورٹیں حاصل کیں۔ لیکن یہاں ان تمام کوششوں پر بھی پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ترکوں میں یہ عجیب دستور ہے۔ کہ وہ ہر ایک بات کو پالٹکس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس وجہ سے کسی معاملہ کا منظر عام میں آنا پسند نہیں کرتے۔ سررشتہ تعلیم کی رپورٹ جو سالنامہ کے ساتھ شائع ہوتی ہے۔ نہایت مختصر اور محض مجمل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مصارف تعلیم اور پروفیسروں اور ٹیچروں کی تنخواہوں کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ بعض بعض کالجوں مثلاً مکتب حربیہ و مکتب سلطانی کی جداگانہ رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں نتائج امتحان اور نصاب تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا +

اول اول مجھ کو خیال ہوا کہ چونکہ میری رسائی کے وسیلے کم تھے اس لئے یہ حالات کم معلوم ہو سکے۔ لیکن جب میں نے خیر الدین پاشا وزیر ٹونس کی کتاب پڑھی تو تسکین ہو گئی۔ اس نے جہاں ترکی کا ذکر کیا ہے اور اسکی تمدنی و تعلیمی ترتیبوں کا حال لکھا ہے۔ نہایت اجمال سے کام لیا ہے اور یہ معذرت کی ہے کہ "میں نے ترکی کے جو حالات لکھے وہ انگریزی کتابوں کے ذریعہ سے لکھے اور اس وجہ سے مفصل نہ لکھ سکا۔ لیکن مسلمانوں کی تحریرات میں اس قدر بھی نہیں مل سکتا" اس تمہید اور معذرت کے بعد میں اصل مطلب شروع کرتا ہوں +

تعلیم کے مختلف طریقے

تعلیم قدیم

قسطنطنیہ بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم و جدید۔ قدیم تعلیم ترکی حکومت کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ چنانچہ ارخان المتوفی سنہ ۷۶۱ھ نے جو اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ تھا۔ ازنیق میں ایک ۷۳۲ سنہ قائم کیا اور یہ پہلا مدرسہ تھا جو ممالک عثمانیہ میں قائم ہوا۔ ارخان کے بعد اور سلاطین نے جو سلاطین شاہانہ سے تعلیم پر توجہ کی اور سیکڑوں دار العلوم اور مدرسے قائم کئے

تعلیم جدید

چنانچہ ہمارے رسالے مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ نئی تعلیم کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جب ترکی حکومت ایشیائی قالب چھوڑ کر یورپین قالب میں آئی۔ اس انقلاب کا بانی سلطان محمود تھا جس نے اول اول یورپین وضع اختیار کی۔ اور فوج کو یورپ کے طرز پر آراستہ کیا۔ اسی مجدد نے سنہ ۱۲۴۷ھ میں مکتب حربیہ کی بنیاد ڈالی جو تعلیم جدید کا پہلا کالج تھا۔ یہ کالج اب بھی موجود ہے اور تمام حربی مدارس کا مرکز ہے سلطان محمود کے بعد سلطان عبد المجید نے سنہ ۱۲۶۱ھ میں جدید تعلیم کو زیادہ وسعت دی۔ اور مکاتب رشدیہ قائم کئے اس عہد سے اب تک یہ تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے اور روز افزوں ترقی کر رہی ہے تعلیم جدید کے چار درجے قرار دئے گئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائیہ۔ اس کی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ پانچ برس ہے لیکن ذہین اور ہوشیار طالبعلم دو تین برس بلکہ برس دو برس میں ہی اس کو ختم کر کے اوپر ترقی کر سکتا ہے۔ اس میں قرآن مجید۔ ترکی زبان۔ عربی کا املا۔ خط۔ حساب تقسیم تک سکھایا جاتا ہے۔

رشدیہ

رشدیہ مدت تعلیم تین برس۔ اس میں ترکی املا۔ مفردات زبان ترکی۔ نحو ترکی۔ عقائد اسلام زبان ترکی۔ حساب چاروں حصے۔ فرنچ زبان۔ عربی زبان۔ جغرافیہ۔ اقلیدس۔ کاغذات تجارت کے اصول۔ نقشہ کشی کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ درجہ تقریباً ہمارے یہاں کے مڈل کی برابر یا اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔

اعدادیہ اور اسکے طلبا کی تعداد

رشدیہ کے بعد اعدادیہ ہے جس کو انٹرنس کہا جا سکتا ہے اس کلاس کے طالب علموں کی مجموعی تعداد سنہ ۱۸۹۲ء میں ۱۵۱۴۰ تھی۔ اس میں تمام اضلاع اور خود پایہ تخت کے مدارس شامل ہیں۔

اعدادیہ کے بعد خاص خاص کالج ہیں مثلاً مکتب ملکیہ۔ مکتب الحقوق وغیرہ جن کا مفصل بیان آگے آئیگا۔ ہر قسم کے عام و خاص مدرسے جو قسطنطنیہ میں ہیں انکی تعداد پانسو ہے جنمیں ۲۳ بڑے بڑے کالج ہیں یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ سلطان حال کے عہد میں تعلیم نے نہایت ترقی کی ہے۔ اور روز بروز کرتی جاتی ہے۔ سلطان کی تخت نشینی کے وقت مدارس رشدیہ کی تعداد ۲۰۶ تھی لیکن اب ۵۰۴ ہے ہر قسم کے نئے مدارس جو سلطان کی شانزدہ سالہ حکومت میں قائم ہوئے۔ اُن کی تعداد دو ہزار ہے اسیکے ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں طالبعلموں کی تعداد اس کثرت سے بڑھتی جاتی ہے۔ کہ ترقی تعلیم کی سال ماقبل کی رپورٹ سال مابعد سے کچھ نسبت نہیں رکھتی۔ پروفیسر ومبری نے اسے چند برس پہلے ترکوں کی عام ترقی پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں مکتب الحقوق (قانونی کالج) کے طالب علموں کی تعداد تین سو بیان کی ہے لیکن میں جب قسطنطنیہ میں تھا تو اس کالج میں بارہ سو طالب علم موجود تھے۔ میں نے زمانہ قیام مصر میں قاہرہ کے مشہور اخبار المویدمیں پڑھا تھا۔ کہ سلطان حال نے جب عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ تھے۔ لیکن اب آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہیں۔ یہ رقم ہمارے یہاں کی ایک کروڑ بیس لاکھ کے مساوی ہے +

حقیقت میں سلطان کو تعلیم کے ساتھ عجیب دلچسپی ہے مکتب ملکیہ اور مکتب الحقوق جو قسطنطنیہ کے نامور کالج ہیں۔ خاص سلطان کے قائم کردہ ہیں۔ حضرت ممدوح کو ان کالجوں کی طرف یہ التفات ہے کہ چند بار بنفس نفیس اُن کے معائنہ کو تشریف لاچکے ہیں +

جس زمانہ میں میں قسطنطنیہ میں تھا حضرت ممدوح نے تمام بڑے بڑے کالجوں کے طالبعلموں کی شاہانہ دعوت کی قسطنطنیہ میں کاغذخانہ ایک مشہور سیرگاہ ہے۔ جہاں ہفتہ میں ایکبار تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے یہ مقام دعوت کے لئے تجویز کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ ہر کالج کے لڑکے باری باری یہاں بلائے جائیں سب سے پہلے مکتب حربیہ۔ پھر مکتب ملکی دسول سروس کالج) اور دوسرے کالجوں کے طلبا مدعو ہوئے۔ طالبعلم کالج سے چلتے تھے تو سلطان کے حکم کے موافق شاہی بینڈ اُن کے آگے آگے بجتا جاتا تھا۔ چونکہ مصالح ملکی کی وجہ سے سلطان خود ان

انرقانون الاسلام «

سلطان حال کے زمانہ میں تعلیم کی ترقی

تعلیم کے سالانہ مصارف

جلسوں میں شریک نہیں ہوسکتے تھے ہمیشہ اُن کی طرف سے ایک ڈنر پر شریک دعوت ہوتا تھا اور طالب العلموں کو سلطان کا سلام پہونچا تھا اُس وقت تمام طالب العلم بڑے جوش اور اخلاص سے **بادشاہم چوق یشا** کا نعرہ بلند کرتے تھے (یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے)

تعلیم کے صیغہ میں ایک نہایت مفید ایجاد جو حال میں سلطان کی خاص تجویز سے ہوئی وہ **مکتب العشائر** کا قائم ہونا ہے۔ اگرچہ اس وقت تمام ممالک عثمانیہ میں تعلیم کو ترقی ہے۔ لیکن اب تک **عرب** کے قبائل اس فیض سے قریبًا بالکل محروم تھے جس کی وجہ خود اُن کی بے پروائی اور بدویت تھی اس ضرورت سے سلطان نے خاص قبائل عرب کی تعلیم کے لئے ایک کالج اور اُسکے ساتھ ایک وسیع اور مرتب بورڈنگ قائم کرنے کا حکم دیا۔ میرے زمانہ قیام ہی میں حکام اور عمال کے نام فرامین صادر ہوئے تھے کہ حجاز۔ یمن۔ دیار بکر۔ بصرہ۔ بغداد۔ طرابلس الغرب۔ حلب۔ موصل۔ شام میں عرب کے جو معزز قبائل ہیں اُنکے لڑکے انتخاب کرکے بھیجے جائیں۔ سلطان نے اُنکے ہر قسم کے مصارف حکومت کی طرف سے دینے منظور کئے۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو یہ کالج بڑی شوکت و شان کے ساتھ کھولا گیا اور افتتاحی رسمیں ادا کی گئیں۔ عربوں کی تہذیب و تربیت کے لئے ایسی عمدہ کوشش کی نظیر تمام اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

اس سے بھی زیادہ شاہانہ فیاضی کا ثبوت **دار الشفقہ** سے ملتا ہے جو خاص یتیموں کے لئے قائم ہوا ہے اس مدرسے میں ایک ہزار یتیم تعلیم پاتے ہیں اور یہ سب بورڈر ہیں اس گروہ کثیر کے۔ خوراک لباس اور تمام ضروری مصارف کا بار سر رشتہ تعلیم پر نہیں بلکہ سلطان المعظم کی ذات خاص پر ہے۔

کالجوں اور اسکولوں میں سے جو زیادہ قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں۔

مکتب حربیہ شاہانہ **مکتب سلطانیہ** **مکتب ملکیہ**	چونکہ میں نے ان کالجوں کو خود دیکھا ہے اور ان کے طریقہ تعلیم وغیرہ کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کئے ہیں اس لئے آگے چل کر ان کو جداگانہ عنوان سے لکھوں گا۔

مکتب الحقوق یعنی قانونی کالج اس کالج میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ رومن لا۔ قانون تجارت۔ اصول محاکمہ۔ تعزیرات۔ قانون بحری۔ پولٹیکل اکانومی یعنی سیاست مدن۔ قوانین سلطنتہائے یورپ۔ مختصر طور پر قانون کی ایجاد کی تاریخ اور اس کے عہد بعہد کی ترقیاں۔ طالبعلموں کی کل تعداد بارہ سو ہے جن میں چھ سو بورڈر ہیں یہاں کے تعلیم یافتہ منصف اور صدر الصدور وغیرہ ہو سکتے ہیں مدت تعلیم چار برس ہے +

مکتب الہندسہ مدت تعلیم چھ برس۔ یہ رڑکی کالج کے مشابہ ہے۔

مکتب اللسان اس میں جرمن۔ فرنچ۔ یونانی۔ آرمنی۔ لاٹین۔ اٹالین۔ روسی زبانیں سکھائی جاتی ہیں +

مکتب الصناعۃ یعنی ٹکنیکل اسکول۔ اس کا سالانہ خرچ ۸۲۵ پونڈ یعنی ۱۲۳۷۵ روپیہ ہیں۔ طالب علموں کی تعداد ۸۴ ہے اور یہ کل یتیم لڑکے ہیں۔ ان کے مصارف خود مدرسے کے فنڈ سے ادا ہوتے ہیں۔ اس میں اب تک حدادی نجاری وغیرہ سکھائی جاتی تھی۔ لیکن سال گذشتہ میں مہتمم مدرسہ توفیق بک آفندی نے درخواست کی کہ کلوں کا کام سکھلایا جائے +

مکتب نواب یہ کالج نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا گیا ہے زمانہ ماقبل میں قاضی و مفتی جو مقرر ہوا کرتے تھے اُن کے لئے کسی قسم کی خاص تعلیم یا امتحان دینا شرط نہ تھا اب یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کالج کا تعلیم یافتہ نہو وہ شرعی

مناصب پر مقرر نہیں ہو سکتا - اس طریقے نے سعی سفارشوں کی تقرریوں کا راستہ بالکل مسدود کر دیا ہے

اس کالج میں فقہ کی نہایت اعلےٰ درجے کی تعلیم ہوتی ہے تعلیم جدید کی بعض چیزیں بھی اضافہ کی گئی ہیں تاکہ موجودہ زمانہ کی ضروریات پر واقفیت ہو۔ اس میں

مکتب بحریہ فن جہازرانی کی تعلیم ہوتی ہے +

مکتب الزراعۃ اس میں کاشتکاری کی تعلیم ہوتی ہے +

طریقہ تعلیم کے متعلق قابل لحاظ امور

طریقہ تعلیم کے متعلق چند باتیں زیادہ قابل لحاظ ہیں -

فرنچ زبان کا لازمی ہونا

(۱) یہ کہ قریباً تمام کالجوں اور اسکولوں میں فرنچ زبان لازمی ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ تعلیم جدید کا معمولی تعلیم یافتہ بھی فرنچ زبان سے ناآشنا نہیں مل سکتا +

سائنس و فنون کی تعلیم

(۲) تمام بڑے بڑے کالجوں میں - فزکس کمسٹری جیالوجی وغیرہ کی تعلیم لازمی ہے اور ان علوم کی عملی مشق کرائی جاتی ہے - اس غرض سے ہر کالج میں کثرت سے ان فنون کے آلات مہیا رہتے ہیں +

تاریخ کی اعلیٰ درجے کی تعلیم

(۳) تاریخ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے - مکتب ملکیہ کا کورس میں نے دیکھا تھا - چھ ضخیم جلدوں میں ہے جس میں علاوہ اور ملکوں کے یورپ کی مفصل تاریخ ہے اس کے ساتھ بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے اکثر مصنفین نے جو غلطیاں کی ہیں - ان سے بحث اور اس پر رد و قدح ہوتی ہے +

علوم جدیدہ کی تعلیم ترکی زبان کے ذریعے سے ہوتی ہے

(۴) بجز مکتب سلطانیہ کے جس میں عیسائی طالب علم کثرت سے ہیں - باقی اور تمام مدارس میں ہر قسم کے علوم و فنون ملکی زبان یعنی ترکی میں پڑھائے جاتے ہیں - تمام علوم جدیدہ کا ترکی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے - اگرچہ یہ امر بحث طلب ہے کہ ترجمہ تعلیم کا عمدہ ذریعہ ہے یا نہیں اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامور ارباب الرائے نے اس بحث میں نفی کا پہلو اختیار کیا ہے - لیکن غالباً وہ بحث ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے جہاں کی ملکی زبان گورنمنٹ

کی زبان نہیں ہے۔ ترکی زبان سلطنت کی زبان ہے اور ایکی مثال تمام دنیا میں نہیں ملسکتی کہ کسی سلطنت نے غیر قوم کی زبان میں علوم وفنون حاصل کرکے ترقی کی ہو۔ انگلستان کی نشوونما اُس وقت شروع ہوئی جب علوم وفنون لیٹن سے انگریزی زبان میں منتقل ہو کر آئے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ ترکی کی ترقی بھی اگر ہوسکتی ہے۔ تو ملکی ہی زبان کے ذریعے سے ہوسکتی ہے ✦

بورڈنگ کا طریقہ

(۵) تعلیم وتربیت کے حالات میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل عزت ہے وہ بورڈنگ سسٹم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹرکی نہایت فخر سے اس بات کا دعوی کرسکتی ہے کہ اس نے بورڈنگ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ تمام بڑے بڑے کالجوں کے ساتھ بورڈنگ ہیں اور ان میں نہایت کثرت سے طلبا رہتے ہیں لیکن یہ التزام ہے کہ خوراک۔ لباس۔ وضع۔ مکان۔ فرنیچر تمام چیزیں ایک سی ہوں اور طالب علموں کی حالتوں میں فرق مراتب کا کوئی شائبہ نہو۔ بورڈنگ کا کرایہ اور خوراک کی جو فیس لیجاتی ہے اس کے ساتھ کپڑوں کے دام بھی لئے جاتے ہیں اور طالب علموں کے کپڑے خود کالج کے اہتمام سے طیار ہوتے ہیں تمام لڑکے میز اور کرسیوں پر کھاتے ہیں اور ہر چیز میں تکلف صفائی خوش سلیقگی کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فیس کی تعداد کسی کالج میں ۵ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے اور مکتب سلطانیہ میں ۴۰ پونڈ یعنی چھ سو روپیہ سالانہ ہے ✦

ترکوں کی یہ عجیب قابل قدر فیاضی ہے کہ باوجود زیادتی فیس کے غربا ان کالجوں کے فیض سے محروم نہیں ہیں۔ ہر کالج میں غریب طالب علموں کی معتدبہ تعداد ہے۔ اور دولتمند ترکوں کی طرف سے ان کو اس قدر امداد دیجاتی ہے کہ وہ کالج کے تمام مصارف ادا کرسکتے ہیں مکتب سلطانی جس کی فیس چالیس پونڈ سالانہ ہے اسمیں ۳۰۰ طالب علم غربا اور کم مقدور ہیں۔ ان میں سے ڈیڑھ سو طالب علموں کی فیس امراء اور ارکین حکومت ادا کرتے ہیں اور پچاس کی سلطان اپنی جیب خاص سے عطا فرماتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ کالج کے احاطہ میں جاکر کوئی شخص کسی طرح تمیز نہیں کرسکتا کہ فلاں طالب علم غریب اور کم مقدور ہے۔ طالب علموں

کی یکساں حالت۔ اُن میں اتحاد اور قومیت کا نہایت قوی خیال پیدا کرتی ہے۔ اور غربا کو اعلیٰ درجے کی معاشرت کا حاصل ہونا اِن میں حوصلہ مندی اور بلند نظری کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے کالجوں میں یہ بڑی کمی ہے کہ کم مقدور لوگوں کو اُن کی فیاضی سے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا ترکوں نے اسی نقصان کا تدارک کیا ہے اور نہایت خوبی سے کیا ہے +

بورڈنگ کا یہ طریقہ دیکھکر مجھ کو اپنا مدرسۃ العلوم یاد آتا تھا۔ اور میں اس کے بورڈنگ کے اختلاف مراتب پر افسوس کرتا تھا لیکن میرا افسوس در حقیقت مدرسۃ العلوم کی حالت پر نہ تھا بلکہ قوم کے اُن بزرگوں پر تھا جن کو خدا نے دولت اور مقدور دیا ہے لیکن یہ توفیق نہیں دی کہ اپنی فیاضی سے اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری تعلیم گاہ میں غربا اور اہل مقدرت ایک ہی بلند سطح پر نظر آئیں میں علانیہ کہتا ہوں کہ ہمارے قومی کالج میں جو چیز سب سے زیادہ ضروری اور نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تمام طالب علموں کا لباس۔ وضع خوراک مکان۔ فرنیچر کا یکسر ایک کر دیا جائے اور جو مختلف سطحیں آج کالج میں قائم ہیں بالکل مٹا دی جائیں۔ اگر یہ نہیں تو کالج میں قومیت کی روح نہیں +

طالب علموں کا لباس

یہاں کالجوں اور اسکولوں میں ایک اور جدت ہے اور نہایت مفید اور موثر ہے وہ یہ کہ ہر طالب علم کے کوٹ کے گریبان پر سنہری کلابتون میں اس کالج یا اسکول کا نام کڑھا ہوا ہوتا ہے۔ جس میں وہ تعلیم پاتا ہے۔ کلابتون کے حرف ابھرے ہوئے اعلیٰ درجہ کے خط نسخ کے مطابق ہوتے ہیں۔ چار بجے کے قریب کالجوں اور اسکولوں کی گذرگاہوں پر جاؤ تو عجیب دلفریب سیر نظر آتی ہے۔ غول کے غول لڑکے مدرسوں سے نکل کر متعدد صفوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اس ترتیب و انتظام سے چلتے ہیں۔ کہ گویا باقاعدہ فوج جا رہی ہے۔ لڑکوں کا سرخ و سپید رنگ اس پر سیاہ کوٹ اور کوٹوں کے گریبان پر کالجوں کا زریں طغرا اس قدر خوشنما معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے +

اس طریقے سے علاوہ زیب و زینت اور شان و شوکت کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم

بغرض تماشے کی غرض سے بازار میں نکلتے ہیں تو کوئی نامناسب حرکت نہیں کر سکتے۔ کالج کا لباس جس کا ہر وقت پہننا لازمی ہے بہچنوا دیتا ہے کہ وہ طالب العلم ہیں۔ اس لئے خواہ مخواہ انکو کالج کے ناموس کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی لڑکا کسی ناروا صحبت میں شریک یا کسی بیہودگی کا مرتکب ہو تو پولس مین پکڑ کر اس کو اس کالج یا اسکول میں پہونچا آئیگا جہاں وہ تعلیم پاتا ہے +

ایک ایک کمرے میں نہ ہونے سے وہاں بیمار کا رہنا +

یہاں کے بورڈنگ سسٹم میں بظاہر ایک نقصان معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ الگ الگ کمرے نہیں ہوتے بلکہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لڑکوں کے لئے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس میں انکی تعداد کے موافق پلنگ بچھے ہوتے ہیں۔ ہر پلنگ کے سرہانے ایک چھوٹی سی الماری ہوتی ہے جس میں معمولی کپڑے اور کتابیں آجاتی ہیں میں نے اول اول یہاں کے بورڈنگ دیکھے تو فی الجملہ ان کی حقارت کا خیال پیدا ہوا خصوصاً اس وجہ سے کہ مدرسۃ العلوم کے پُرتکلف اور آراستہ کمرے میری آنکھوں کے سامنے تھے لیکن زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ فائدے سے خالی نہیں۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس کمی کی اصلی وجہ کثرت آبادی اور کافی زمین کا نہ میسر آنا ہے لیکن اُن فوائد کے لحاظ سے جو بغیر اس خاص طریقے کے حاصل نہیں ہو سکتے اگر یہ دعوےٰ کیا جائے کہ قصداً ایسا کیا گیا ہے اور ایسا ہی مناسب تھا تو کچھ بیجا نہ ہوگا +

تمام بورڈروں کی یکساں زندگی

اس طریقے سے جو نہایت مفید کام لیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام بورڈروں کی روزانہ زندگی یکساں اصول پر قائم کی گئی ہے مثلاً صبح ہوئی اور چوکیداروں نے جو تمام رات سونے کے کمرے میں ٹہلا کرتے ہیں تمام بورڈروں کو جگا دیا۔ دیوار میں لڑکوں کی تعداد کے موافق ٹونٹیاں لگی ہیں اور ان کے نیچے پکی نالی بنی ہے تمام لڑکے وہاں جا کر ایک ساتھ بیٹھ گئے۔ لڑکوں کے ایک ساتھ آجانے کا اس قدر التزام ہے کہ بعض بعض کالجوں میں ایک کل ہے جس کے پھرانے سے تمام ٹونٹیوں کا منہ ایک ساتھ کھلجاتا ہے۔ جب تمام لڑکے آجاتے ہیں تو نوکر اس کل کو پھراتا ہے اور وقت مقررہ کے گذرنے پر بند کر دیتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا دیر کر کے آئے تو اُس کو واپس جانا ہوگا۔ کیونکہ صرف ایک شخص کے لئے بہت سا پانی رائگان نہیں کیا جا سکتا ہاتھ منہ

دھوکر تمام لڑکے ریڈنگ روم میں (جو کتب بینی کے لئے مخصوص ہے اور جہاں ایک نگران معلم موجود رہتا ہے) جاکر بنچوں پر بیٹھ گئے اور سبق کے یاد کرنے یا مطالعہ کے دیکھنے میں مصروف ہوئے۔ تمام طالب علم ایک ساتھ اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں گئے۔ کھانے کے بعد کالج کی گھنٹی ہوئی اور سب کالج کے کمروں میں جا بیٹھے۔ رات کو بھی تمام طالب علم ایک ہی کمرے (ریڈنگ روم) میں پڑھتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے تو سب ساتھ اُٹھ کر سونے کے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ غرض سوکر اُٹھنا۔ ہاتھ منہ دھونا۔ سبق مُطالعہ کرنا۔ کھانا کھانا۔ کھیلنا نماز کا پڑھنا۔ اور رات کے دس بجے اپنے اپنے پلنگ پر جاکر پڑ رہنا۔ یہ سارے کام تمام طالب العلموں کو ایک ساتھ کرنے پڑتے ہیں۔ اس طریقے سے حفظ اوقات کی عادت ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے۔ اس طریقے کے لئے ضرور ہے کہ ایک ایک کمرے میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ طالب علم کے رہنے کا انتظام کیا جاوے ورنہ الگ الگ کمروں میں تمام کاموں کے ایک ساتھ انجام پانے کا کسی طرح انتظام نہیں ہو سکتا ہمارے کالج میں **ظہور حسین وارڈ** جو ابھی قائم ہوا ہے اسی اصول پر قائم ہوا ہے +

ترقی تعلیم میں ابھی تک بعض باتوں کی کمی ہے

تعلیم کی وسعت اور ترقی کے متعلق اگرچہ یہ کچھ اہتمام ہے تاہم چونکہ نئے طریقہ تعلیم نے حال میں رواج پایا ہے اس لئے ابھی بہت سی باتوں کی کمی ہے جس کی نسبت اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ پوری ہو جائیگی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کالج بلکہ تمام شہر میں کوئی ڈبیٹنگ کلب اور علمی انجمن نہیں ہے۔ اس لئے طالب علموں کو تقریر کا ملکہ بہم پہونچانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کالجوں کے ڈگری یافتہ مجمع عام میں کسی مضمون پر لکچر یا اسپیچ نہیں دے سکتے اسی کا یہ بھی اثر ہے کہ تعلیم یافتہ گروہ میں ابھی تک وہ زندہ دلی۔ آزاد خیالی۔ حوصلہ مندی۔ بلند نظری نہیں پیدا ہوئی ہے جو نئی تعلیم کا لازمہ ہے +

ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ کالجوں اور بڑے بڑے اسکولوں کا وجود دار الخلافت کی شہر پناہ تک محدود ہے بڑے بڑے شہروں میں اگرچہ کثرت سے مدرسے قائم ہو گئے ہیں لیکن وہ

عموماً ابتدائیہ اور رشدیہ یعنی اوسط درجہ کے مدارس ہیں۔ جہاں تک میری واقفیت ہے۔ بیروت۔ دمشق۔ حلب۔ بیت المقدس۔ میں ایک بھی ایسا علمی مدرسہ نہیں جس پر کالج کا لفظ صادق آسکے +

اس سے بڑھ کر یہ افسوس ہے کہ قسطنطنیہ کے تمام کالج اور دار العلوم جن کا میں نے ذکر کیا۔ حکومت کی طرف سے ہیں۔ قوم نے ابھی تک اس طرف کچھ توجہ نہیں کی ہے۔ یعنی اتنے بڑے دار السلطنت میں ایک بھی قومی کالج نہیں۔ کوئی گورنمنٹ گو کتنی ہی مقتدر اور دولتمند ہو۔ لیکن تمام ملک کی علمی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہوسکتی۔ اگر ہو بھی تو چنداں مفید نہیں جس قوم کی تمام ضرورتیں گورنمنٹ انجام دیا کرتی ہے اسکی دماغی اور روحانی قوتیں مردہ اور بیکار ہوجاتی ہیں۔ یورپ میں جو عظیم الشان علمی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر قوم کا حصہ ہے انگلستان کی مشہور یونیورسٹیاں کیمبرج اور آکسفورڈ۔ قومی ہی کوششوں سے قائم ہوئی ہیں۔ اور اس وقت تک انہوں نے گورنمنٹ کا زیر بار احسان ہونا منظور نہیں کیا ہے +

اس اجمالی رپورٹ کے بعد ہم بعض بعض کالجوں کا تفصیلی حال لکھتے ہیں +

مکتب حربیہ

یہ بہت بڑا کالج بلکہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ جس پر ترکوں کو فخر ہے اور درحقیقت وہ اس فخر کا مستحق ہے۔ اگرچہ حربی تعلیم اصطلاحی تعلیم کے مفہوم سے کسی قدر الگ ہے اس لحاظ سے ترقی تعلیم کے ذیل میں مکتب حربیہ کا ذکر کرنا بظاہر موزوں نہ تھا۔ لیکن اس کالج میں حربی علوم کے علاوہ طبیعیات۔ کیمیا۔ ریاضی اور بالخصوص طب کی تمام شاخوں کی تعلیم اس حد تک ہوتی ہے کہ ہم اسکو اصطلاحی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں کہہ سکتے یہ کالج ۱۲۵۰ھ میں سلطان محمود نے قائم کیا تھا۔ اس زمانے کی بہ نسبت عمارت میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ اور نصاب تعلیم تو اس قدر وسیع اور اعلیٰ ہوگیا ہے کہ گویا وہ کالج ہی نہیں رہا +

اس کالج کے ماتحت جس قدر حربی مدارس ہیں ان کی تعداد (۷۴) ہے جن میں (۱۸) اعدادیہ ہیں اور (۲۷) رشدیہ جن میں کل ۹۲۲۴ طالب علم تعلیم پاتے ہیں تفصیل نقشہ ذیل

سے معلوم ہوگی ٭

قسم مدرسہ	مدارس پایۂ تخت		مدارس اضلاع	
	بورڈر	غیر بورڈر	بورڈر	غیر بورڈر
اعدادی	۱۰۹۶	۰	۷۳۵	۰
رشدیہ	۱۵۵	۲۴۲۵	۱۴۸	۲۲۲۵

یہ کالج (مکتب حربیہ) بڑی عظمت و شان کا کالج ہے - اگرچہ قسطنطنیہ میں عام دستور ہے کہ سکرٹری مدرسے کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی مدرسہ کے احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتا - لیکن اس کالج میں اور بھی زیادہ اہتمام اور روک ٹوک ہے - میں نے جب اس کی سیر کا قصد کیا تو لوگوں نے کہا کہ اسکے لیے ارادۂ سنیہ یعنی خود سلطان کی اجازت درکار ہے - اگرچہ ممکن تھا کہ عثمان پاشا جن سے اس زمانے میں مجھ کو شرف ملازمت حاصل ہو چکا تھا - مجھ کو بآسانی اجازت دلا دیتے لیکن میں نے اس کام کے لیے اُن کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا حسین حسیب آفندی پولس کمشنر سے بے تکلفانہ ملاقات تھی ان سے تذکرہ کیا - بولے کہ "در حربیہ نا ممکن ایسیم" مجبوراً مجھ کو ذاتی کوشش پر بھروسہ کرنا پڑا - اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ مکتب حربیہ کے سکرٹری ذکی پاشا ہیں جو نہایت لائق اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ ہیں - میں نے خیال کیا کہ بغیر کسی واسطے کے خود اُن سے ملنا چاہیئے - شیخ علی ظبیان نے بھی یہی رائے دی - چنانچہ ہم دونوں پاشائے موصوف کے مکان پر گئے ٭

اتفاق سے وہ باہر جا چکے تھے - آدمی نے کہا ذرا ٹھیر جائیے - شاید جلد آجائیں - یہی اثنا میں وہ آ پہونچے گاڑی سے اُترنے کے ساتھ انہوں نے ہماری طرف رخ کیا - شیخ علی ظبیان اور میں دونوں عربی لباس میں تھے اگرچہ میرے سر پر ریشمی عمامہ اور کمر میں سنہری پٹی تھی لیکن قفطان اور عبا کی وجہ سے مجموعی صورت سے عرب معلوم ہوتا تھا - پاشا موصوف کو اس وقت نہایت جلدی تھی - سلام علیک کے ساتھ ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ مجیدیاں (ترکی سکہ

مکتب حربیہ کی سیر کے متعلق ذکی پاشا کی ملاقات

نکالیں۔ پہلے تو مجھ کو سخت تعجب ہوا۔ پھر یہ خیال آیا کہ نعوذ باللہ انہوں نے ہم کو عام عربوں کی طرح گداگر سمجھا۔ اِس خیال کے ساتھ مجھ کو نہایت رنج اور رنج کے ساتھ غصّہ آیا۔ میں نے چلا کر کہا شو ھذا۔ ماجئنا لھذا۔ لسنا من الفقراء یعنی یہ کیا ہے؟ ہم اِس لئے نہیں آئے۔ ہم محتاج نہیں ہیں پاشا موصوف اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن چہرے کی ہیئت اور لہجہ کلام سے سمجھے کہ یہ امر اس کو ناگوار گذرا۔ شیخ علی ظبیان کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہ یہ غیظ میں کیوں ہیں؟ اور چاہتے کیا ہیں؟ شیخ علی ظبیان ٹوٹی پھوٹی ترکی بول لیتے تھے۔ میرے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ پاشائے موصوف نہایت شرمندہ ہوئے معذرت کے ساتھ کہا کہ آپ بالاخانے پر چلئے۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ بالاخانے پر چند معزز عہدہ دار جمع تھے۔ انہوں نے نہایت احترام کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ معمول کے موافق قہوہ آیا۔ ایک ایک سے مزاج پرسی ہوئی۔ ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور تحقیقات علمی کی غرض سے یہاں آیا ہوں تو اِس قدر گرویدہ ہوئے۔ کہ ہر لفظ اور ہر ادا سے شوق اور محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ نہایت افسوس تھا کہ میں نہ ترکی سمجھتا تھا نہ فرنچ۔ اور وہ اِن زبانوں کے سوا اور کسی زبان میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ اُٹھ اُٹھ کر میرے پاس آ بیٹھتے تھے اور اظہار محبت کے ساتھ افسوس ظاہر کرتے تھے کہ ہم آپ کی زبان نہیں سمجھتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ذکی پاشا نے معذرت کے ساتھ کہلا بھیجا کہ مجھ کو ضروری کام درپیش ہے اِس لئے میں خود نہیں آسکتا۔ لیکن میں نے ایک افسر کو حکم دیدیا ہے وہ آپ کو اچھی طرح کالج کی سیر کرا دیگا۔ اِن صاحب کا نام رضا بک تھا اور میرالائی کا رتبہ رکھتے تھے پاشائے موصوف کی معذرت اگرچہ بہانہ پر محمول نہیں ہو سکتی تھی واقعی ان کو بہت سے محکمے سپرد ہیں اور تمام تمام دِن ان کو دورے میں گذر جاتا ہے لیکن اِس میں شبہ نہیں کہ ان کو اپنی حرکت پر سخت ندامت ہوئی تھی اور یہ بھی اُن کے نہ آنے کا ایک سبب تھا۔

مجھ کو اِس بات کے معلوم ہونے سے کہ یہاں علماء اور متصوفین جب کسی امیر یا عہدہ دار سے

ملتے ہیں تو اسی غرض سے ملتے ہیں کہ بعض نورانی ہاتھ آئیے۔ ذکی پاشا کی بدگمانی کا رنج تو جاتا رہا۔ لیکن اس فرقے کے حال پر بہت افسوس ہوا۔ نذر و نیاز کے طریقے کو میں ہندوستان کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا۔ لیکن افسوس یہاں بھی اس سے نجات نہیں پائی۔

قصۂ مختصر رضا بک کے ساتھ ہم مکتب حربیہ کو گئے۔ دروازے پر پہرہ تھا سپاہیوں نے فوجی قاعدے سے سلام کیا۔ اور داخل ہوئے تو کالج کیا ایک مستقل آبادی تھی رضا بک پہلے اپنے خاص کمرے میں لے گئے۔ وہاں کے اور چند عہدہ دار موجود تھے۔ اُن سے تعارف ہوا معمول کے موافق قہوہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رضا بک نے کہا کہ کھانے کی گھنٹی ہو چکی ہے آئیے۔ سب سے پہلے آپ کو کھانے کے کمرے کی سیر کرائیں۔ چونکہ اس وقت ڈائننگ روم (کھانے کا کمرہ) اور اسکے متعلق جو عمارتیں ہیں۔ ڈھاکر نئے سر سے تعمیر ہو رہی تھیں۔ اس لیے کالج کے سلسلۂ عمارت سے کسی قدر فاصلہ پر ایک مکان عارضی طور پر بنایا گیا تھا اور کالج سے اس عمارت تک صاف اور ہموار سڑک تیار کی گئی تھی۔ لڑکے اپنے اپنے کمروں سے نکلکر ڈائننگ ہال چلے تو عجب دلفریب سماں نظر آیا۔ پانچ پانچ چھ چھ لڑکوں کی تیس چالیس صفیں تھیں اور اس ترتیب و انتظام کے ساتھ جا رہی تھیں۔ کہ گویا باقاعدہ فوج مارچ کر رہی ہے۔ وضع اور لباس بالکل ایک سا تھا اور چونکہ تمام لڑکے ترک یا شامی عرب تھے رنگ روپ میں بھی چنداں فرق نہ تھا تعجب یہ ہے کہ اس گروہ کے ساتھ نہ کوئی افسر تھا نہ اُن کو ہمارا آنا معلوم تھا تاہم انکی کوئی حرکت ترتیب و انتظام کے خلاف نہ تھی اور شور و غل کا مطلق نام نہ تھا۔ جب ہم کمرے کے اندر داخل ہوئے تو تمام لڑکے میز پر بیٹھ چکے تھے ہال نہایت وسیع اور خوبصورت اور چھت پر طلائی کام تھا۔ دو تین قسم کے کھانے تھے اور ترکی طریقے کے موافق چار چار لڑکوں کے بیچ میں ایک ایک قاب تھی چھری کانٹے نہ تھے۔ صرف چمچے تھے لیکن لڑکے کھاتے اس خوش سلیقگی سے تھے کہ نہ کسی کا ہاتھ بھرتا تھا نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ پڑ سکتا تھا۔ غالباً لڑکوں پر صفائی و پاکیزگی کی سخت تاکید ہے چار پانسو لڑکے جو ہال میں موجود تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کپڑے بدل کر آئے ہیں

لڑکوں کا کھانے کے کمرے کو جانا

کھانے میں لڑکوں کی صفائی اور خوش سلیقگی

ہم جدھر گزرتے بعض بعض لڑکے کھڑے ہوجاتے اور کہتے تفضل یا مولانا اُن کے اسرار سے ہم نے دو ایک لقمے کھائے کھانا بُرا نہ تھا۔ لیکن ہم ہندوستانی قورمہ ڈھونڈھتے تھے وہ یہاں کہاں؟

کھانے کے کمرے سے نکلکر تھوڑی دیر تک ہم اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ یہانتک کہ کالج کی گھنٹی ہوئی اور لڑکے لکچرز روم کو چلے +

لکچرز روم — لکچرز روم (تعلیم کے کمرے) ہمارے ہندوستان کی قطع کے نہیں ہیں۔ دور تک سیدھی قطاریں بہت سے کمرے ہیں جنکی قطع عام مکانات کی سی ہے۔ پروفیسر ایک بلند چبوترہ پر بیٹھتا ہے۔ بعض بعض چبوتروں کے گرد لکڑی کا کٹہرا بھی تھا رضا ایک اور ان کے ساتھ ہم جس کمرے میں جاتے ایک لڑکا اُٹھ کر "یق" کا لفظ بلند آواز سے کہتا۔ اس آواز کے ساتھ تمام لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے۔ معلوم ہوا کہ کالج کا جب کوئی افسر آتا ہے تو لڑکے اسی طرح اسکی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ رضا ایک ہم کو تمام پروفیسروں سے انٹرڈوس کراتے تھے لیکن افسوس یہ تھا کہ ہم کسی کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے +

حمام۔ چھاپہ خانہ۔ نقاش خانہ۔ اور اس قسم کی بہت سی عمارتیں جو کالج کے احاطہ میں ہیں ہم نے سب کی سیر کی۔ یہ عمارتیں اس کثرت سے ہیں کہ قریباً دو گھنٹے تک ہم برابر پھرے تب کہیں جاکر ختم ہوئیں۔ تشریح کی تعلیم کا کمرہ نہایت وسیع ہے اور اعمال تشریح کے سامان کثرت سے جمع ہیں۔ نقشہ کشی اور مصوری کے جو نمونے میں نے یہاں دیکھے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ چھاپہ خانہ میں ایک ایجاد یہ دیکھی کہ جغرافیہ کا نقشہ بجائے کاغذ کے پتھر پر بناکر چھاپا جاتا تھا۔ جو نقشہ اس وقت طیار ہو رہا تھا۔ نہایت گنجان اور باریک تھا۔ اور درحقیقت بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا +

طالب علموں کی تفریح کے لئے ایک خوبصورت حوض بنا ہے جس میں مختلف رنگ کی مچھلیاں پڑی ہیں اور جا بجا بنچیں اور کرسیاں بچھی ہیں۔ پروفیسروں اور ٹیچروں کے لئے

ذرا فاصلے پر الگ حوض ہے۔ چونکہ چلتے چلتے تھک گئے تھے ہم نے وہاں دم لیا اور دیر تک صحبت رہی رجب آفندی جو ترکی زبان کی انشا سکھانے پر مامور ہیں اور فارسی زبان جانتے ہیں آخری دورے میں ہمارے ساتھ ہو لئے تھے۔ ان کے ذریعہ سے کالج کے معزز افسروں سے بے تکلف بات چیت ہوسکتی تھی۔ پروفیسروں اور طالب علموں نے مجھ سے جس خوش اخلاقی اور اسلامی محبت کا برتاؤ کیا میں اسکی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ اس بات کا نہایت افسوس ہا کہ جس دن ہم نے کالج کو دیکھا وہ عملی تعلیم کا دن نہ تھا اس وجہ سے فوجی مشقیں یعنی قواعد۔ نشانہ بازی۔ شہسواری۔ مورچہ بنانا۔ دمدمے طیار کرنے اور اس قسم کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے۔ ممکن تھا کہ اور کسی دن جاکر دیکھتے۔ لیکن ہماری قیام گاہ سے کالج اس قدر دور تھا کہ پھر ہمت نہوئی

پروفیسروں کا اخلاق

اس کالج میں تعلیم کی متعدد شاخیں ہیں *

تعلیم کی متعدد شاخیں ارکان حرب

(۱) ارکان حربیہ یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور اسکی مدت تعلیم تین برس ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں فنی وعسکری فنی میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ تقسیم اراضی و ہیئت۔ نظریات جر ثقیل۔ معماری۔ زبانہائے فرنچ و جرمن و روس۔ قلعوں کا محاصرہ اور اسکے اصول جنگ۔ فوجی ٹیلیگراف۔ وظائف ارکان حرب۔ فوجی ایجادیں۔ عملیات اشکال معماری سفر بینا۔ ممالک عثمانیہ کی سڑکیں اور کل ممالک یورپ کی ریلوے لائنیں۔ فن اسلحہ ثقیلہ۔ علم طبقات الارض۔ یورپ کی فوجوں کی ترتیب اور اصول۔ دنیا کی مشہور لڑائیاں اور فوجی اصول کے لحاظ سے انکی کیفیت وقوع اور فتح و شکست کے اسباب کی تحقیق۔ اقلیدس۔ جبر مقابلہ۔ ہیلوغرافیا۔ فن اسلحہ خفیفہ۔ کتابت۔ تاریخ فن حرب۔ تصویر کشی *

عسکری میں بھی اکثر یہی مضامین ہیں۔ اسکے ساتھ بعض بعض جدید مضامین ان دونوں درجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم رشدیہ اور اعدادیہ میں ہوچکتی ہے۔ ان درجوں میں صرف انکی تکمیل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تین برس میں اس قدر مختلف مضامین کی تحصیل ہوسکتی ہے۔ رشدیہ سے اس درجے تک کی تعلیم کی کل مدت دس برس ہے۔

سواری
(۲) سواری کی تعلیم۔ اسکی مدت تعلیم تین برس ہے اور علاوہ عملی مشقوں کے مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہندسہ رسمیہ۔ جغرافیہ نظری و عملی۔ زبانہائے فرنچ و جرمن و روس۔ کیمیا۔ فن اسلحہ۔ فوجی ایجادات۔ جغرافیائے عسکری +

پیادہ
(۳) پیادہ۔ مدت تعلیم تین برس۔ اس میں علاوہ عملی مشقوں کے جغرافیہ فوجی۔ فن اسلحہ۔ جرمن و فرنچ وروسی زبانیں۔ فوجی ایجادات۔ استحکامات خفیفہ۔ حفظ الصحۃ کی تعلیم ہوتی ہے +

بیطاری یعنی جانوروں کا علاج
(۴) بیطری یعنی طب حیوانات۔ مدت تعلیم چار برس۔ مضامین درسیہ یہ ہیں۔ عام امراض۔ فن ولادت۔ فن فروسیت۔ امراض داخلیہ۔ امراض متولیہ۔ فن جراحی۔ امراض خارجیہ۔ فرنچ زبان۔ کتابت۔ کیمیائے عضوی۔ مفردات طب۔ تشریح۔ منافع الاعضا۔ نباتات۔ علم الحیوانات۔ کیمیات غیر عضوی۔ علم الارض و المعادن۔ ان چاروں صیغوں میں قریباً چھ سو لڑکے زیر تعلیم ہیں اور اُن کو سند حاصل کرنے کے بعد حسب مراتب۔ افسری کے عہدے ملتے ہیں۔ انکے نیچے اعدادیہ اور رشدیہ کی کلاسیں ہیں جنکی مدت تعلیم سات برس ہے۔ اور تاریخ۔ جغرافیہ۔ حساب۔ اقلیدس۔ طبعیات۔ کاٹوں کا کام اور اس قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے۔ کل طالب علم جو اس کالج کی مختلف شاخوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ تعداد میں

پروفیسروں اور ٹیچروں کی تعداد
پندرہ سو ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار اور ڈیڑھ سو پروفیسر اسسٹنٹ پروفیسر و ٹیچر ہیں جنمیں سے اکثر کالج ہی کے احاطہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ اکثر پروفیسر اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور معزز عہدہ دار ہیں۔ ان میں سے چھ شخص پاشا کا منصب رکھتے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ثروت پاشا سکرٹری۔ فائق پاشا پروفیسر کیمیائے عضوی۔ ہمزہ پاشا پروفیسر تعلیم سواری۔ تفوق پاشا پروفیسر طبقات الارض۔ شاکر پاشا پروفیسر ارکان حرب۔ عثمان پاشا پروفیسر زبان جرمن۔ نو پروفیسروں کو میر آلائی کا رتبہ حاصل ہے +

مکتبہ سلطانی

یہ بھی قدیم کالج ہے اور مکتب حربیہ کے سوا تمام کالجوں سے ممتاز ہے۔ یہ غلطہ سرائے

میں واقع ہے جہاں زیادہ تر یوروپین تاجر آباد ہیں اور اِس وجہ سے تمام اور کالجوں کی نسبت عیسائی لڑکے اِس میں زیادہ ہیں +

مجھ کو افسوس ہے کہ جس وقت میں نے کالج کو دیکھا تعطیل کا زمانہ تھا اور بجز دو تین عہدہ داروں یعنی سکرٹری اور نائب سکرٹری وغیرہ کے اور کوئی افسر موجود نہ تھا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے۔ بورڈنگ اور لکچر زروم سب اوپر کے درجے میں ہیں۔ علم الحیوانات کی تعلیم کے لئے نہایت وسیع کمرہ ہے جس میں کثرت سے ہر قسم کے مردہ جانور اور بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے ہیں۔ وہیل مچھلی کا ڈھانچہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ کیمیا اور الکٹرسٹی کے تجربوں کے لئے کثرت سے بیش قیمت آلات مہیا کئے گئے ہیں +

یہ بات مجھ کو بہت پسند آئی کہ بیمار بورڈروں کے لئے ایک نہایت وسیع ہال آراستہ ہے جس میں کثرت سے پلنگ وغیرہ موجود ہیں اور متعدد خدمتگار ہر وقت حاضر رہتے ہیں اس طریقے سے ڈاکٹر کو لڑکوں کے علاج اور تیمارداری میں آسانی ہوتی ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں تمام بیماروں کو دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ الگ الگ کمرے ہوں تو ایک ایک بیمار کے پاس پہونچنا اور کافی طور سے اُنکی پرداخت اور خبر گیری کرنی سخت مشکل ہو +

اس کالج کا صرف ۱۸ ہزار پونڈ یعنی دو لاکھ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ لیکن اِس میں غریب طالب علموں کی اسکالرشپ کی رقم بھی شامل ہے۔ طالب علموں کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہے۔ جن میں زیادہ تر بورڈر ہیں۔ بورڈروں کی خوابگاہ کا کمرہ نہایت وسیع۔ شاندار اور خوش فضا ہے۔ بورڈنگ کا جو دستور العمل ہے اسکے چند دفعات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

(۱) تمام بورڈروں کی خوراک۔ کپڑے۔ بچھونے۔ کتاب۔ کاغذ۔ قلم وغیرہ کالج کی طرف سے مہیا کیا جائیگا +

(۲) بورڈر سے ۴۰ پونڈ سالانہ (چھ سو روپیہ) فیس لیجائیگی +

(۳) ایسے طالب علم بھی داخل ہو سکتے ہیں جو دو ثلث یا ایک ثلث فیس ادا کر سکتے ہیں یا

بالکل نہیں ادا کر سکتے۔ لیکن ان کی تعداد معین ہوگی۔ جو ہر سال کے شروع میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے محکمہ سے استفسار کر کے قرار دیجائیگی۔ (یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اس قسم کے طلبار کی بقیہ فیس سلطان اور امرائے شہر ادا کرتے ہیں اور اس وجہ سے خوراک۔ لباس۔ فرنیچر وغیرہ کے لحاظ سے ان میں اور ذی مقدور طالبعلموں میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں ہوسکتا۔)

(۴) داخلے کے وقت ہر طالب علم سے کپڑوں کی بابت ۵ اپونڈ یعنی دو سو پچیس روپے لئے جائینگے +

(۵) وہ طالب علم جو رات کو بورڈنگ میں نہیں رہتے انکی فیس ۲۰ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ گھٹ نہیں سکتی +

(۶) غیر بورڈروں کی فیس ۱۰ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ کم نہیں ہوسکتی +

(۷) بورڈروں کو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اپنے گھر جانے کی اجازت ملیگی۔ جانے اور آنے کے وقت ایک معتبر ملازم کا اُن کے ساتھ ہونا ضرور ہے +

(۸) کوئی بورڈر ایک ہفتہ میں دس قرش (سوا روپیہ) سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تعلیمی حیثیت سے اس کالج میں جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ تمام علوم وفنون فرنچ زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اکثر پروفیسر فرنچ یا جرمن ہیں۔ اسکے ساتھ ترکی زبان کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ عربی وفارسی کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ گو اعلیٰ درجے کی نہیں۔ باقی زبانیں۔ یونانی۔ ارمنی۔ انگریزی۔ جرمنی۔ اٹالین۔ لیٹن۔ درس میں داخل ہیں اور بہت سے لڑکے پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعلیم اختیاری ہے لازمی نہیں +

ترکی وعربی وفارسی میں علاوہ علم ادب اور قرآن مجید کے جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ عقائد۔ فقہ۔ اخلاق۔ تاریخ۔ دولت عثمانیہ۔ قرأت وتجوید۔ حدیث وتفسیر۔ لیکن قرأت وحدیث وتفسیر کی تعلیم چوتھے برس سے شروع ہوتی ہے۔ اور ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتی ہے۔ فرنچ زبان شروع ہی سے پڑھائی جاتی ہے اور اختتام

تعلیم یعنی سات برس تک برابر جاری رہتی ہے۔ نحو۔ صرف۔ ادب کے ساتھ۔ اصول انشانگاری وفن بلاغت اعلےٰ درجے تک پڑھایا جاتا ہے اور مضامین ذیل کی تعلیم بھی اسی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ حساب۔ جبر مقابلہ۔ جغرافیہ۔ ہندسہ۔ کیمسٹری۔ علم الحیوانات۔ طبیعیات۔ علم النبات الکٹرسٹی۔ علم الاصوات۔ علم طبقات الارض۔ رسم ہندسی۔ رسم تقلیدی ۔

پروفیسروں اور ٹیچروں کی مجموعی تعداد ۷۴ ہے جنمیں ۲۶ جرمنی اور فرنچ۔ اور باقی ترک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وسعت عمارت۔ فراہمی آلات علمی۔ وسعت تعلیم۔ اور خوبی انتظام کے لحاظ سے تمام قسطنطنیہ میں اس سے عمدہ تر کوئی کالج نہیں ہے۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ اسکی اعلیٰ کلاسوں میں تعلیم پانے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ شیخ عبدالفتاح آفندی نے مجھکو سال رواں کی رپورٹ نتیجہ امتحان عنایت کی تھی۔ اس میں جسقدر اعلےٰ درجے کے امتحانات پاس کرنے والے ہیں۔ اکثر عیسائی ہیں۔ مجھکو خدانخواستہ عیسائیوں کی ترقی پر حسد نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے تنزل کا رنج ضرور ہے

مکتب ملکیہ

مکتب ملکیہ

یہ کالج جو یہاں کا سول سروس کالج ہے خاص سلطان کا قائم کردہ ہے اور حضرت ممدوح کو اسکی طرف التفات خاص ہے چنانچہ دوبار بنفس نفیس اسکے ملاحظہ کو تشریف لاچکے ہیں۔ پہلے اسمیں پانچ درجے تھے تین ادنےٰ اور دو اعلےٰ اس لحاظ سے کل مدت تعلیم پانچ برس تھی لیکن تعلیم کے ہائی اسٹینڈرڈ کے قائم کرنے کے لئے دو درجے اور بڑھا دیے گئے ہیں۔ اور کل مدت تعلیم سات برس قرار دی گئی ہے۔ اس کالج میں فرنچ کے ساتھ یونانی اور ارمنی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ عربی و فارسی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے لیکن لازمی نہیں۔ مضامین جنکی تعلیم ہوتی ہے یہ ہیں۔ تاریخ جغرافیہ۔ الکٹرسٹی وغیرہ۔ طبعیات۔ پالیٹکل اکونمی۔ اصول قانون۔ یورپ کے قوانین۔ ان تمام مضامین کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے پر ہوتی ہے

تاریخ کا کورس میں نے خود دیکھا چھ ضخیم جلدوں میں تھا۔ اس کالج کے تعلیم یافتہ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کئے جاتے ہیں چنانچہ دو سو سے زیادہ اس وقت تک ملکی عہدوں پر مقرر ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض بعض نہایت بلند رتبہ کے عہدہ دار ہیں۔ طلبا جو اس وقت کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔ ان کی تعداد ۶۰۰ سے زیادہ ہے +

طالب علموں کی تعداد

میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کے مینجر جو ایک معزز ترک ہیں۔ اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ترجمان میرے ساتھ تھا۔ بے تکلف گفتگو ہو سکتی تھی یہاں کے کالجوں میں میں نے یہ بات عموماً دیکھی اور مجھ کو بہت پسند آئی۔ کہ مینجر معزز رتبہ کا آدمی ہوتا ہے۔ اور اسکی طرز معاشرت سے عزت و شان ظاہر ہوتی ہے۔ ان مینجر صاحب کا کمرہ بھی حسب معمول مرتب اور آراستہ تھا۔ میں جس وقت کالج میں پہونچا چھٹی کا گھنٹہ تھا اور لڑکے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب لڑکے کلاسوں میں آگئے تو مینجر صاحب نے مجھ کو کالج کے تمام کمروں کی سیر کرائی۔ کھانے کا کمرہ نہایت خوش سلیقگی سے مرتب تھا۔ میز پر نہایت صاف چادر بچھی تھی۔ اور کھانے کے پر تکلف برتن خوبصورتی کے ساتھ چنے تھے۔ صراحیاں جو طالب علموں کی تعداد کے موافق تھیں۔ عموماً شیشے کی تھیں اور گویا میز کی آرایش کا کام دیتی تھیں۔ کیمسٹری وغیرہ کی تعلیم کے کمرہ میں اعلےٰ درجے کے آلات تھے۔ اور کثرت سے تھے اسی سلسلۂ عمارت میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اسکی عمارت چنداں قابل ذکر نہیں لیکن چونکہ اندر باہر نہایت اعلیٰ درجے کا ترکی قالین بچھا ہوا تھا۔ خوبصورت اور زینت معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف دیوار پر خط نسخ کا ایک عمدہ قطعہ آویزاں تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سلطان عبد العزیز خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ خط ہے +

کھانے کے کمرے کی صفائی اور آراستگی

نماز کی طیاری

اسی اثنا میں ظہر کا وقت آگیا مسلمان لڑکوں نے (عیسائی طالب علم بھی یہاں کچھ کم نہیں ہیں) نماز کی طیاری کی وہ عموماً کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ اور اس لباس میں ان کا ادب

اور متانت کے ساتھ وضو کرنا اور وقار و احترام کے ساتھ قطار در قطار مسجد کو جانا میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر مذہبی اثر سے آزاد ہو کر ترقی کریں تو ایسی ترقی سے تنزل ہزار درجے بہتر ہے۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی ہوتا رہا لیکن بہت کم لڑکے اسمیں شریک تھے۔

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ترکوں میں تعلیم کا آغاز سلطنت کے ساتھ ساتھ ہوا یہ وہی تعلیم تھی جس کو ہم آج قدیم تعلیم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بے شبہہ کسی زمانے میں اعلیٰ درجے پر تھی چنانچہ افضل الدین خونجی۔ علامہ قوشجی چلپی۔ خواجہ زادہ حاجی خلیفہ وغیرہ کی تصنیفات آج تک اسکی یادگار ہیں۔ لیکن موجودہ تعلیم پستی کی اس حد تک پہونچ گئی ہے۔ کہ اسکے مقابلے میں ہمارے ہندوستان کی تعلیم غنیمت ہے۔ اس سفر میں جس چیز کا تصور میری تمام مسرتوں اور خوشیوں کو برباد کر دیتا تھا وہ اسی قدیم تعلیم کی ابتری تھی۔ یہ مسئلہ آج کل ہندوستان میں بھی چھڑا ہوا ہے۔ اور تعلیم قدیم کی ابتری پر عموماً رنج اور افسوس کیا جاتا ہے لیکن میرا افسوس دوسری قسم کا افسوس تھا۔ ہمارے ملک کے نئے تعلیم یافتہ۔ پرانی تعلیم پر جو رنج اور افسوس ظاہر کرتے ہیں وہ درحقیقت رنج نہیں بلکہ استہزا اور شماتت ہے۔ میں اگرچہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں۔ تاہم پرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کے لئے پرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تعلیم جس طریقے سے جاری ہے وہ بالکل بے سود اور بے معنی ہے تو خواہ مخواہ نہایت رنج ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تو اس خیال سے صبر آجاتا تھا کہ جو چیز گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں نہو اس کی بے سروسامانی قدرتی بات ہے لیکن قسطنطنیہ۔ شام۔ مصر میں یہ حالت دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔

قصہ مختصر قدیم تعلیم کا یہاں کثرت سے رواج ہے۔ اور چونکہ اس قسم کے طالب علم

اپنی وضع و لباس سے صاف پہچانے جاتے ہیں اس لئے مسجدوں اور عام گذرگاہوں میں

طالبعلموں کی تعداد

آسانی سے انکی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ خاص قسطنطنیہ میں ان کی تعداد بیس ہزار سے کم نہیں ہے۔ انکی بسر اوقات کا جو طریقہ ہے وہ نہ صرف افسوسناک بلکہ حیرت انگیز ہے۔ یہاں کے تمام مدارس (قدیمہ) میں تین مہینے کی متصل تعطیل ہوتی ہے جس کا

طالبعلموں کی بسراوقات کا طریقہ

آغاز رمضان المبارک سے ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں تمام طلبا قسطنطنیہ سے باہر چلے جاتے ہیں اور دیہات اور قصبات میں پھر کر زکوۃ تحصیل کرتے ہیں۔ یہ زکوۃ اُن کی سال بھر کی معاش ہے بعض بعض مدرسوں میں اور وہ خال خال ہیں۔ کچھ روٹیاں بھی مقرر ہیں لیکن

بورڈنگ

کپڑے وغیرہ کا مطلقاً کوئی بندوبست نہیں۔ رہنے کے لئے مدرسوں کے حجرے ہیں۔ جو نہایت مختصر اور تنگ و تاریک ہیں +

مدرسوں کی قطع یہ ہے کہ چھوٹا سا صحن اور اُس کے تین طرف چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے ہیں اور صحن میں سقاوہ ہوتا ہے جہاں بیٹھکر وضو کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مدرسے جو سلاطین (محمد فاتح و سلیمان وغیرہ) نے بنوائے تھے اور آج تک قائم ہیں۔ اُنکے حجرے وسیع اور ہوادار ہیں۔ لیکن اور تمام مدرسوں کے حجرے ایسے مختصر اور بند بند ہیں کہ اندر جاتے ہوئے دم گھٹتا ہے باوجود ان تمام باتوں کے مجھ کو ترکوں کی علمی فیاضی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہرچند کم حیثیت سہی تاہم آج سیکڑوں علمی یادگاروں کا وجود تو ہے اور انصاف یہ ہے۔ کہ یہ مدرسے جس زمانے کی یادگار ہیں۔ اُس وقت کی تہذیب تمدن کے لحاظ سے ناموزون بھی نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں تو اس وسعت اور فراخی کے ساتھ کہ بجائے خود ایک اقلیم ہے حکومت اسلام کی ششصد سالہ مدت کی ایک علمی یادگار بھی موجود نہیں +

نصاب تعلیم

تعلیم قدیم کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے۔ کہ تعلیم کا اسٹینڈرڈ نہایت چھوٹا رکھا گیا ہے۔ علم ادب کا پتہ نہیں منطق و فلسفہ میں ایساغوجی اور شمسیہ انتہائی کتابیں ہیں صحاح ستہ شاید ہی کسی مدرسے میں پڑھائی جاتی ہو۔ معانی و بلاغت و اصول فقہ کا بھی یہی حال

ہے فقہ پر البتہ نہایت کچھ توجہ ہے۔ لیکن اسکی تعلیم بھی مجتہدانہ نہیں بلکہ نہایت عامیانہ اور مقلدانہ ہے۔ بعض بعض مولویوں سے میری ملاقات تھی۔ وہ ایسے جزئی اور عام مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ کہ مجھ کو تعجب اور افسوس دونوں ہوتا تھا +

ترکوں کی علمی حالت

ترکوں کی علمی حالت

اسلام نے دنیا کے جن حصّوں پر حکومت کی وہاں کی ملکی زبان اگر بالکل مٹ نہیں گئی تو اتنا ضرور ہوا کہ علمی حیثیت کا منصب اُس سے چھن کر عربی زبان کو مل گیا۔ ہندوستان۔ فارس۔ اسپین۔ افغانستان کی ملکی زبانیں اگرچہ بالکل مختلف تھیں لیکن علمی زبان ہر جگہ عربی ہی رہی اور اب بھی ہے۔ ترک بھی اس عام اثر سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ لیکن اس خصوصیت میں ان کو تمام اسلامی قوموں میں امتیاز حاصل ہے۔ کہ

ترکی زبان میں کتابوں کا ترجمہ

انہوں نے عربی زبان کی اطاعت کے ساتھ اپنی زبان کو بھی علمی خزانوں سے محروم نہیں ہونے دیا۔ جس زمانے میں علوم قدیمہ کی حکومت تھی۔ اُس زمانے میں ترکی زبان میں ان علوم کا پورا سلسلہ موجود تھا اور اب بھی ہے۔ میں نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ تاریخ ابن خلدون۔ طبری۔ ابن خلکان۔ مقریزی وغیرہ جو نہایت ضخیم کتابیں ہیں۔ اور جن میں سے بعض سات سات جلدوں میں ہیں۔ ترکی میں سب کا ترجمہ موجود ہے۔ بخلاف اسکے۔ فارس وافغانستان میں اسکی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔ ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ ترجمہ شدہ کتابوں کا ذکر کیا جائے تو ایک بڑی فہرست تیار کرنی ہوگی +

میرے ایک ترک دوست نے جو متعدد زبانوں کے ماہر ہیں۔ مجھ سے بیان واقعہ کے طور پر (نہ فخریہ) بیان کیا کہ فرنچ زبان کی تاریخیں۔ ڈرامے۔ ناول۔ سفرنامہ۔ کتب انشا وبلاغت اس کثرت سے ترکی میں ترجمہ ہوگئی ہیں۔ کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہے۔ علوم وفنون جدیدہ کی بھی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہوچکی ہیں۔

اور یہی کا اثر ہے کہ ٹرکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانیہ کے اِن علوم وفنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے۔ اور اعلےٰ درجے پر ہوتی ہے +

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں۔ علوم وفنون جدید کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اور کالجوں اور اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً مستقل تصنیفات ہیں نہ ترجمے۔ مجھکو اس قدر فرصت اور موقع تو کہاں مل سکتا تھا کہ تمام جدید تصنیفات

تراجم / تاریخی تصنیفات — سے واقفیت حاصل کرتا۔ البتہ اپنے مذاق کے موافق تاریخ ورجال کی کتابیں دیکھیں جن کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ [illegible] کے بعد ایشیا کی کسی زبان میں اس قدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں ہے +

بلحاظ بعض لحاظ سے اسکو عربی پر ترجیح حاصل ہے۔ عربی زبان میں جس قدر تاریخیں ہیں سادہ واقعات کا مجموعہ ہیں اور جس قدر کوشش اور اہتمام ہے صرف اصول روایت کے متعلق ہے بخلاف اسکے ترکی تاریخیں اُن اصول وقواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفۂ تاریخ کے اصول ہیں اور جنکی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچا دیا ہے۔ مکتب ملکیہ میں تاریخ کی کتاب جو درس میں داخل ہے میں نے اُس کو اجمالی طور پر دیکھا۔ تمام واقعات میں علت ومعلول اسباب کا سلسلہ ملحوظ رکھا ہے۔ اور جا بجا محاکمہ اور تحقیق وتنقید کی ہے۔ اسکے ساتھ ہر عہد حکومت کے خاتمہ پر اُس عہد کی تمدنی۔ اخلاقی۔ علمی حالت تفصیل کے ساتھ دکھائی ہے +

بیوگرافی یعنی حالات وتراجم — **بیوگرفی** کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے جس کا نام مشاہیر رجال ہے مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ سلسلہ ناتمام چھوڑ دیا گیا ورنہ نہایت مفید مجموعہ ہوتا۔ ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائکلوپیڈیا

قاموس الاعلام — آجکل زیر تصنیف ہے جس کا نام قاموس الاعلام ہے۔ اِس میں رجال کے علاوہ مشہور شہروں اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔ عربی اور فرنچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے اُنکی فہرست اسکے ساتھ شامل ہے میں نے عربی کتابوں کے نام پڑھے

نہایت نایاب اور مستند کتابیں ہیں اور قسطنطنیہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہوسکتیں۔ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر ہے اور اس وقت تک ت تک پہونچی ہے ۔

تاریخ کے ساتھ **جغرافیہ** کو بھی نہایت ترقی ہے ۔ کثرت سے مفید کتابیں لکھی گئی ہیں مجموعی دنیا اور الگ الگ آبادیوں کے بڑے بڑے نقشے اس کثرت سے طیار کئے گئے ہیں کہ یورپ کے بعد شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوں ۔ یہ نقشے نہایت باقاعدہ خوبصورت اور موزون ہیں ۔ اور یورپ کے طیار شدہ نقشوں سے کسی بات میں کم نہیں ۔ ترکوں کو اس فن سے خاص دلچسپی ہے ۔

ترکی تصنیفات کی کثرت

ترکی تصنیفات کی کثرت کا کافی معیار نہیں بتا سکتا ۔ لیکن ایک دفعہ سررشتہ تعلیم کے دفتر میں اجمالی طور پر ان کتابوں کی فہرست دیکھی جو خاص قسطنطنیہ میں صرف ایک مہینے کے عرصے میں شائع ہوئیں ۔ ان کا شمار دو ہزار کے قریب تھا ۔ اگرچہ اس میں ارمنی ۔ یونانی ۔ فرنچ اور اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی تھیں لیکن زیادہ حصہ ترکی تصنیفات کا تھا ۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان میں ناول اور ڈرامے زیادہ تھے اور یہ وہی بلا ہے جو ہمارے کمبخت ملک میں پھیلی ہوئی ہے ۔

ترکی لٹریچر

ترکی کے لٹریچر نے بھی نہایت ترقی کی ہے ۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ بہت سی خصوصیتوں میں ہماری اردو کے مشابہ ہے ۔ ترکی کا قدیم لٹریچر قدیم اردو کے انداز پر رنگین پرتکلف ۔ استعارات سے مملو اور قوافی کا پابند تھا ۔ لیکن اب نئی اردو کی طرح سادگی ۔ صفائی ۔ برجستگی کا لحاظ کیا جاتا ہے اور نئی تصنیفات بالکل اسی طرز پر لکھی جاتی ہیں اس نئی طرز کے موجد یا استاد کمال بک ۔ عامد بک ۔ پروفیسر ناجی وغیرہ ہیں ۔ میں نے جب ترکی پڑھنی شروع کی تو قدیم تصنیفات کے پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن میرے احباب نے جو میرے استاد بھی تھے ۔ کہا کہ قدیم وجدید ترکی میں آسمان و زمین کا فرق ہے اور قدیم زبان کا سیکھنا نئی زبان کے لئے کافی نہ ہوگا ۔ پروفیسر ومبری نے اپنے لکچر میں جو انہوں نے ترکوں کی موجودہ شائستگی پر دیا ہے ۔ قدیم وجدید

ترکی کا موازنہ کر کے موجودہ زبان کی دلاویزی صفائی۔ سادگی کا تعجب کے ساتھ اعتراف کیا ہے

ترک مصنفین

ترک مصنفوں میں جو اجکل زیادہ نامور اور ممتاز ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔ احمد مدحت جودت پاشا۔ پروفیسر ناجی۔ ابوالضیا۔ سامی۔ علی نصرت۔ پروفیسر ناجی شاعر ہیں۔ اور گویا پایہ تخت کے شاعر ہیں۔ ملک الشعرا کا یہاں کوئی عہدہ نہیں ہے ورنہ یہ لقب انہیں کو ملتا تاہم اُن کو پایہ تخت کا شاعر خیال کیا جاتا ہے۔ **احمد مدحت** بہت بڑا مصنف ہے اُس نے ترکی حکومت کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے جو بارہ جلدوں میں ہے۔ اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اُنکے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے اور مدافعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے وہ ترکی فارسی عربی کے علاوہ فرنچ زبان میں کمال رکھتا ہے یورپ میں جو اورینٹل کانفرنس قائم ہے اسکے متعدد اجلاسوں میں ٹرکی کیطرف سے وہ وکیل مقرر ہو کر گیا۔ اور اسٹاک ہالم کی کانفرنس میں عربی فارسی وغیرہ کی ڈیپارٹمنٹ کی افسری اسی کو دی گئی +

جودت پاشا نہایت معزز شخص ہیں اور جلسہ وزرا کے ایک ممبر یعنی وزیر اور یاور ہیں۔ ان کا سن ساٹھ ستر کے قریب ہے۔ اور چونکہ معمر ہونے کے ساتھ ضعیف الجثہ اور نحیف بھی ہیں۔ جلسہ وزرا میں کم شریک ہوتے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سے قواعد عثمانیہ جو ترکی نحو و صرف میں ہے درس میں داخل ہے۔ میں ان سے ملا تھا۔ دیر تک صحبت رہی۔ عربی و فارسی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ مجھ سے عربی میں باتیں کرتے رہے۔ بڑی تعریف یہ ہے کہ باوجود دولت مندی اور عہدہ وزارت کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر علمی اشغال میں مصروف رہتے ہیں +

ترکی اخبارات ورسالے

ترکی لٹریچر کے ذکر میں اخبارات و ماہوار رسالوں کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے۔ کیونکہ آج کل یہ چیزیں لٹریچر کا ایک بڑا جزو خیال کی جاتی ہیں۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے ترکی لٹریچر پستی کی حالت میں ہے۔ ترکی زبان کے اخبار تعداد میں تھوڑے نہیں ہیں بہت سے اخبار روزانہ ہیں اور بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں۔ عبارت بھی بہت سادہ اور شستہ

ہوتی ہے۔ اخبار کا مذاق بھی تمام ملک میں پھیل گیا ہے۔ بہت سے قہوہ خانے اخباروں کے لیئے مخصوص ہیں۔ جہاں ہمیشہ کثرت سے اخبارات موجود رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو قہوہ خانے کے بجائے قرات خانہ کہا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن جو چیز اخبار کی جان ہے یعنی آزادی اس کا سرے سے نہیں۔ تمام اخبارات میں بجز سرکاری احکامات اور معمولی خبروں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ترکی زبان پولیٹیکل طرز تحریر اور زور استدلال سے بالکل محروم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس زبان میں آزادی کا عنصر نہ ہو اس میں رفعت خیال۔ قوت بیان۔ زور کلام۔ جوش تاثیر کیونکر اور کہاں سے آسکتا ہے۔ عربی کو دیکھو جب تک خلافت راشدہ کا زمانہ تھا۔ اور طبیعتیں آزاد اور خودسر تھیں۔ عربی زبان جوش اور تاثیر سے لبریز تھی جس زمانے سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑی اور خاندان بنو امیہ نے بڑے زور اور قوت سے عرب کی آزادی کو پامال کر دیا زبان میں نہ وہ تاثیر رہی نہ وہ جوش رہا۔ بے شبہ زمانہ مابعد کا لٹریچر کثرت معلومات کی وجہ سے نہایت وسیع اور دولتمند ہے۔ لیکن اس زمانے کے تمام تصنیفات چھان مارو آزادانہ طرز تحریر اور پولیٹیکل جوش اور تاثیر کا پتہ نہیں ملتا +

ان باتوں کے ساتھ مجھ کو تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اخبارات کا آزاد نہ ہونا ترکی کے پولیٹیکل حالات کا ضروری اقتضا ہے۔ رعایا کا اختلاف مذہب سلطنت ہائے غیر کی رقابت مخالفین کی دراندازیاں اخباروں کا بات کو بتنگڑ بنانا۔ یوروپین حکومتوں کی ہمسائگی۔ یہ ایسے حالات ہیں جن میں آزاد گورنمنٹ بھی یہی کرتی جو ترکی نے کیا ہے۔ حال ہی میں فرانس کی جمہوری حکومت نے ٹونس میں اخبارات کی آزادی کے متعلق جو احکام جاری کیئے ان کو دیکھکر کون نا انصاف ہے جو تنہا ترکی کو مورد الزام قرار دے سکتا ہے +

اخبارات کے آزاد نہ ہونے کا سبب

البتہ کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہاں جو روک ٹوک ہے وہ کسی قدر اعتراض کے قابل ہے یہاں عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھاپنا چاہتا ہے تو

کتابوں کے چھپنے میں روک ٹوک

پہلے وہ کتاب معارف کے سررشتہ میں پیش کیجاتی ہے۔ وہاں معائنہ اور تفتیش کا ایک جداگانہ صیغہ ہے۔ اس صیغہ کے عہدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور انکی رپورٹ کے موافق بعض اوقات کتاب کا چھپنا روک دیا جاتا ہے یا اس میں حک و اصلاح کی جاتی ہے۔ اس قاعدے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی۔ کہ بعض لوگ کتابوں کے چھاپنے میں نہایت بددیانتی کرتے تھے مثلاً بیروت میں عیسائیوں نے الفاظ الکتابیہ جو چھاپی ہے اس میں جہاں جہاں قرآن پاک کی آیتیں تھیں اور اسلامی طریقے کے موافق عنوان کے طور پر قال اللہ یا کما فی القرآن المجید تھا سب جگہ بدل کر کما قیل یا کما قال القرآن بنا دیا۔ حالانکہ کسی مسلمان کے قلم سے قرآن مجید کی نسبت ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔ اس سے زیادہ یہ کہ انہیں عیسائیوں نے قرآن مجید کا ایک انتخاب چھاپا ہے اور جہاں جہاں کسی آیت میں عیسائی روایتوں کے خلاف کسی واقعہ کا ذکر ہے۔ تو بین میں لکھدیا ہے کہ "یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے"۔ بے شبہ ایک اسلامی سلطنت اس قسم کے تصرفات کا تحمل نہیں کر سکتی اور یہی سبب ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتابوں کے شائع ہونے کے وقت نہایت احتیاط اور تفتیش سے کام لیا جاتا ہے

لیکن افسوس ہے کہ آج کل اس کا طریق عمل اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے۔ یہ صیغہ تحریف و تبدل کے روک کی غرض سے قائم ہوا تھا۔ مگر بعض اوقات اس نے خود تحریف و تغیر پر عمل کیا ہے۔ میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد نسفی چھپ رہی تھی۔ معارف نے اس کتاب کی تمام وہ عبارت قلمزد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے۔ مطبع والے نے مجبوراً اسی قلمزد نسخہ کو چھاپا۔ میں نے اصل نسخہ جس پر معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھ کو یاد ہے کہ اس وقت میں رنج اور غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے یہ تصرف بخیال خود سلطان کی ہواخواہی کے جوش میں کیا ہوگا لیکن اگر حضور ممدوح کو اس سے اطلاع ہوتی تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتے *

اخبارات تو جیسا میں نے اوپر بیان کیا قابل اعتنا نہیں لیکن میگزین اور ماہوار

رسالے جو ترکی زبان میں نکلتے ہیں۔ نہایت قدر کے قابل ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور اور معروف معارف ہے جو ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس رسالے میں ہمیشہ اعلے درجے کے مضامین نکلتے ہیں۔ ترکی اور ترکوں میں آجکل جو لوگ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں زیادہ تر اسی رسالے کے ذریعے سے اظہار کمال کرتے ہیں۔ مضامین زیادہ تر نیچرل سائنس اور آلات جدیدہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کوئی پرچہ تصویر سے خالی نہیں ہوتا۔ تعداد اشاعت بھی کچھ کم نہیں۔ میں نے صاحب مطبع سے دریافت کیا تھا معلوم ہوا کہ پانچ ہزار پرچے نکلتے ہیں۔ معارف کے سوا اور بھی علمی پرچے ہیں اور نہایت قابلیت سے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں علمی غزیتہ [illegible] برہان ثروت فنون میری نگاہ سے گذرے ہیں۔ یہ تمام رسالے کاغذ۔ خط۔ صفائی۔ غرض ظاہری آب و تاب میں یورپ کے مشہور رسالوں کی ہمسری کرتے ہیں +

اس میں شبہ نہیں کہ ترکی میں علوم و فنون کو جو روز افزوں ترقی ہے اور جس کثرت سے ہر فن میں نئی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے لحاظ سے تمام ایشیائی دنیا پر اسکو افضلیت کا رتبہ حاصل ہے +

چھاپے خانے

مطابع — چھاپے خانے یہاں نہایت کثرت سے ہیں۔ اور خوش خطی۔ صفائی۔ موزونی میں ان کا جواب نہیں۔ عربی خط کا جو ٹائپ ہے اور جو ایک ترکی عالم ابو الضیا کی ایجاد ہے تمام دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے۔ عربی کتابیں آج دنیا میں جہاں جہاں چھپتی ہیں بیروت کی چھپی ہوئی کتابیں سب سے عمدہ تسلیم کی جاتی ہیں۔ لیکن خود بیروت والوں نے مجھ سے بیان کیا کہ اصل میں ٹائپ ترکوں کی ایجاد ہے اور ہم ان کے مقلد ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں عموماً ترکی کتابیں چھپتی ہیں اور وہ ان ملکوں میں نہیں آتیں اس لئے عام طور پر بیروت ہی کی شہرت ہوگئی ہے۔ مرفہ الحالی یا عام قدر دانی کا اثر ہے کہ قسطنطنیہ میں جس قدر کتابیں چھپتی ہیں۔ نہایت

عمدہ اور قیمتی کاغذ پر چھپتی ہیں۔ بخلاف مصر و ہندوستان کے یہاں جو تے صاف کرنے کا کاغذ کتابوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان ملکوں میں لوگوں نے ابھی تک علم کی قدر و قیمت نہیں سمجھی۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ یہاں کوئی مطبع اتنا وسیع اور اس قدر دولتمند نہیں جیسا کہ ہندوستان میں نولکشوری مطبع ہے۔ اس کے ساتھ یہ اور افسوس ہے کہ اکثر مطابع غیر قوموں کے ہیں جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اس کا مالک بھی ایک عیسائی ہے۔ مسلمانوں کے جو مطابع ہیں۔ ان میں ترجمان حقیقت۔ مطبع عثمانیہ۔ شرکت صحافیہ۔ زیادہ ممتاز ہیں میں نے ان سب کی سیر کی۔ شرکت صحافیہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ وہ مشترک سرمایہ سے قائم ہے اور اس کے تمام حصہ دار مسلمان ہیں۔ کل سرمایہ ۱۸ ہزار پونڈ یعنی قریباً ۲ لاکھ روپیہ ہے۔ تمام کام انجن کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ انجن بہت بڑا ہے اور دس بارہ کلوں کو چلاتا ہے جس وقت پہونچا عینی شرح بخاری چھپ رہی تھی۔ دو ضخیم جلدیں اس وقت تک تیار ہو چکی تھیں۔ مطبع والے کہتے تھے کہ آٹھ ہی آٹھ ادھر ہیں۔ تمام قسطنطنیہ میں مسلمانوں کا یہی مشترک کارخانہ ہے ورنہ مسلمان۔ اولاً تجارت کو ہاتھ ہی کیوں لگاتے اور کسی اتفاقی وجہ سے اس کام کو کرتے بھی تو دو چار شخص ملکر کیوں کرتے۔ اس لحاظ سے یہ مطبع ایک گونہ خرق عادت میں داخل ہے۔

کتب خانے

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس عنوان پر دیر میں پہونچا ورنہ ذاتی شوق اور غایت سفر کے لحاظ سے یہی مضمون تھا جس کو میں سب سے اول اور سب سے مفصل لکھتا حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے وہ یہی کتب خانے ہیں اسلامی دنیا کے جن حصوں میں آج تعلیم و تعلم کا چرچا ہے۔ وہ ہندوستان۔ عرب۔

مصر، شام، بلاد مغرب، فارس و ایران ہیں۔ ان میں سے اکثر مقامات کا علمی سرمایہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو نہیں دیکھا ہے وہ ایسے قوی وسائل سے معلوم ہے کہ دیکھنے کے برابر ہے۔ اس بنا پر میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

کتب خانوں اور کتابوں کی تعداد

کل کتب خانے جو اس شہر میں ہیں انکی تعداد ۴۴ ہے۔ شاہی کتب خانہ جو قصر ہمایوں میں ہے اور نہایت قدیم ہے ان کے علاوہ ہے۔ ان کتب خانوں کی کل کتابیں ۸۵ ہزار ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد کچھ بڑی تعداد نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں اس سے زیادہ کتابیں ہونگی لیکن قسطنطنیہ کو جو ترجیح ہے وہ کتابوں کی عمدگی اور کمیابی کی حیثیت سے ہے۔ ان کتب خانوں میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ کتب خانہ جامع ایا صوفیہ۔ کتب خانہ جامع بایزید۔ کتب خانہ جامع یول۔ کتب خانہ حمیدیہ قدیم۔ کتب خانہ عاشر آفندی۔ شیخ الاسلام کتب خانہ اسعد آفندی۔ کتیبہ الشراق۔ کتب خانہ جامع محمد فاتح۔ کتب خانہ حمیدیہ جدید۔ کتب خانہ علی پاشا شہید۔ کتب خانہ نور عثمانیہ۔ کتب خانہ لالہ لی۔ کتب خانہ حکیم اوغلی علی پاشا۔ کتب خانہ محمد پاشا کوپرلی۔ کتب خانہ قلیچ علی پاشا۔ کتب خانہ ولی الدین آفندی۔ کتب خانہ سلیمیہ۔ کتب خانہ نیفتی زادہ آفندی۔ کتب خانہ سلطان محمد۔ قاضی زادہ۔ کتب خانہ جامع والدہ سلطان۔ کتب خانہ عاطف آفندی۔ کتب خانہ شہزادہ۔ داماد ابراہیم پاشا۔ کتب خانہ خسرو پاشا۔ کتب خانہ مہرشان۔ کتب خانہ محمد آفندی۔ کتب خانہ مصطفےٰ آفندی۔ کتب خانہ توفیق آفندی۔ کتب خانہ سلیمانیہ۔ کتب خانہ محمد آفندی مراد۔ کتب خانہ راغب پاشا۔ ان میں سے چودہ کتب خانوں کی مفصل فہرستیں چھپ کر شائع ہوگئی ہیں اور غالباً رفتہ رفتہ بقیہ فہرستیں بھی اشاعت پائیں۔

کتب خانوں کے لئے اوقاف

یہ کتب خانے جیسا کہ خود اُن کے ناموں سے ظاہر ہے۔ اگلے پاشاؤں اور امیروں نے قائم کیے ہیں اور سب کے سب وقف عام ہیں۔ ہر کتب خانہ کے ساتھ اس قدر جائداد بھی وقف ہے جس سے اس کے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم۔ فرش اور معمولی فرنیچر

ملازموں کی تنخواہ ادا ہوتی رہتی ہے۔ اِن امور کے لحاظ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ علمی فیاضی میں ترکوں کا رتبہ تمام اسلامی قوموں سے بالاتر ہے ہندوستان میں مدتوں تک اسلامی حکومت رہی اور بڑے اوج و شان سے رہی بڑے بڑے نامور وزرا اور اُمرا گذرے لیکن آج ان کی ایک بھی علمی یادگار موجود نہیں ٭

ان کتب خانوں سے اِس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ترکوں میں اُمرا کا گروہ (جو اور قوموں میں نسبتہً ایک جاہل گروہ ہوتا ہے) تعلیم یافتہ اور اعلےٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر کتب خانوں میں وقف کرنے والوں کی ذاتی تصنیفات یا اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ جو اُنکے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں۔ خود ان سے اِس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جمع کرنے والوں کا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا٭

کتبخانوں کی ظاہری حالت

یہ کتب خانے خوبی عمارت اور دیگر سر سامان کے لحاظ سے معمولی درجے کے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کتب خانوں میں الماریاں تک نہیں۔ ایک چبوترہ پر جس کے گرد لوہے کا کٹہرہ ہے کتابوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ تمام کتب خانوں میں زمین کا فرش ہے۔ البتہ اس قدر تکلف ہے۔ کہ سامنے بنچیں بچھی ہوئی ہیں۔ جن پر کتابیں رکھکر پڑھتے ہیں۔ کتبخانۂ حمیدیہ جو حال میں قائم ہوا ہے۔ اور سلطان المعظم کے عہد مبارک کی یادگار ہے۔ اگرچہ زیادہ شان و شوکت کا ہے۔ عمارت خوبصورت اور وسیع ہے۔ میز کرسیاں۔ کوچیں۔ جس قدر ہیں۔ ان پر ریشمی گدے ہیں۔ غرض تمام باتوں میں اور کتب خانوں سے مستثنےٰ ہے۔ تاہم الہ آباد کی پبلک لائبریری کی برابری نہیں کرسکتا ٭

اوقاف کا انتظام

چونکہ تمام اوقاف کا انتظام حکومت سے متعلق ہے۔ کتب خانے بھی گورنمنٹ کے زیر اہتمام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود امتداد زمانہ کے کتابیں اِس احتیاط سے محفوظ ہیں کہ ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہے۔ ملازمین باوجود قلت تنخواہ کے نہایت مستعدی اور دیانت گزاری

ہیں۔ کتب خانہ عاشر آفندی کا وقف اِس قدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی خوراک اور دو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں مل سکتے۔ لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہے۔ اِس قدر دیانت دار اور اپنے فرائض کا پابند ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں۔ کتب خانہ کی دیواروں پر انگور کی بیلیں چڑھی ہیں۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا۔ کہ اگر تم انگوروں کو بیچ ڈالو تو تم کو معقول آمدنی ہو سکتی ہے۔ بولا کہ **واقف** کی شرط کے موافق یہ انگور صرف ان لوگوں کے لئے ہیں۔ جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں۔ اس لئے میں ان سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قلت تنخواہ کی وجہ سے بیچارے نے شادی بھی نہیں کی ہے نہ رہنے کا کوئی مکان ہے کتب خانہ ہی میں رات کو پڑ رہتا ہے +

کتب خانوں کی بعض خصوصیتیں

اِن کتب خانوں کی خصوصیتیں اور انکی اجمالی کیفیت واقعات ذیل سے معلوم ہوگی

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتابیں جو یہاں موجود ہیں۔ عموماً قدیم الخط صحیح اور اساتذۂ سابقہ کی صحیح کردہ ہیں۔ قدیم اور نایاب کتابیں جن کے دو ہی چار نسخے دنیا میں ہوں ان کا صحیح ہونا سب سے زیادہ مقدم ہے ورنہ ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مصر کے کتب خانہ میں بھی قدیم کتابیں کچھ کم نہیں۔ لیکن اکثر زمانہ حال کی لکھی ہوئی ہیں اور اس وجہ سے چنداں صحیح اور قابل استناد نہیں۔ قسطنطنیہ کی کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ان کتابوں کے ایسے عجیب غریب نسخے کہاں سے بہم پہونچائے ہیں۔ اسرار البلاغت عبد القاہر جرجانی کی مجھ کو مدت سے تلاش تھی۔ ہندوستان میں صرف ایک نسخہ کا پتہ لگا۔ لیکن وہ نہایت غلط اور ناقابل اعتبار تھا۔ قسطنطنیہ میں اس کے متعدد نسخے دیکھے اور سب کے سب نہایت صحیح اور قدیم الخط۔ اسی طرح کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ تذکرہ ابن حمدون۔ معجم الادبا۔ یاقوت حموی کتاب الاشراف للبلاذری۔ تاریخ کبیر امام بخاری وغیرہ کے نسخے نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں +

نسخوں کی صحت اور عمدگی

خط کی عمدگی اور کاغذ کی زرافشانی

(۲) بعض کتب خانوں مثلاً حمیدیہ قدیم میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر کتابوں کا کاغذ زریں یا زرافشاں ہے اور حاشیہ پر سنہری بیل بوٹے بنے ہیں۔ ان تکلفات کے ساتھ خط نہایت اعلیٰ درجے

کا ہے۔ چونکہ قدیم زمانے کی کتابیں اس تکلف کے ساتھ کم مل سکتی تھیں۔ بانی کتب خانہ نے اکثر کتابیں خود اپنے اہتمام سے طیار کرائی ہیں۔ میں نے متعدد کتابیں جن میں شفا بوعلی سینا کا کامل نسخہ بھی تھا۔ نکلوا کر دیکھیں اور صاحب کتبخانہ کی نفاست پسندی کی بیساختہ داد دی +

(۳) میرا خیال تھا کہ دولت عباسیہ کے عہد میں یونانی و مصری کتابوں کے جو ترجمہ ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہو گئے۔ لیکن یہاں آکر اس خیال کی غلطی ثابت ہوئی۔ اگرچہ جس کثرت سے ترجمے ہوئے تھے اس کے اعتبار سے تو موجود سرمایہ کچھ بھی نہ ہونے کے برابر ہے تاہم جس قدر موجود ہے یہ بھی غنیمت ہے +

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کو قدیم تصنیفات کے ساتھ خاص اعتنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس باب میں یورپ کی کوششوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کا ایک نہایت مفید اور جامع خلاصہ لکھا تھا۔ یہ اصلی خلاصہ مفقود ہو گیا ہے۔ لیکن لاٹین میں اس کا ترجمہ ہو گیا تھا جو اس وقت تک یورپ کے کتبخانوں میں موجود ہے اسعد آفندی ایک ترکی عالم نے اس لاٹین خلاصہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اور جابجا کچھ اضافے کئے۔ میں نے یہ ترجمہ راغب پاشا کے کتب خانہ میں دیکھا بہت بڑا مجموعہ ہے اور ترکوں کی علمی کوششوں کا عمدہ نمونہ ہے +

تاریخ اور ادب کی نایاب تصنیفات

(۴) فن تاریخ و ادب میں بعض ایسی تصنیفات دیکھیں جن میں وہ جدت ہے۔ جس کو میں مدت سے تلاش کرتا تھا اور یورپ کی تصنیفات حال کے سوا اس قسم کی طرز تصنیف کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا مثلاً قضاۃ کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ حالات زندگی کے ساتھ ان کے فیصلے اور احکام بھی نقل کرتا کہ آج کے طریقۂ انفصال مقدمات کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جا سکتا کتبخانہ بنی جامع میں اس قسم کی ایک کتاب موجود ہے مصنف کتاب کا نام ابوبکر محمد بن خلف وکیع ہے جو نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے اور تمام واقعات کو بسند متصل بیان کرتا ہے

اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ ہر شخص کے حال کے ساتھ اس کے بہت سے فیصلے اور تجویزیں بھی نقل کی ہیں اور مقدمات کی صورت بیان کی ہے +

فن ادب میں میں نے اس قسم کی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی بلکہ خیال تک نہ تھا۔ کہ ایسی کوئی کتاب مسلمانوں نے کبھی لکھی ہوگی جس میں مضامین شعری کی تاریخ ہو۔ یعنی فلاں مضمون۔ اول فلاں شاعر نے لکھا پھر رفتہ رفتہ فلاں فلاں شاعر نے یہ اضافہ کیا یا اس طرح اس کی صورتیں بدلیں۔ **عاشر آفندی** کے کتب خانہ میں میں نے ایک بڑی ضخیم کتاب خاص اس موضوع پر دیکھی۔ مصنف نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ ہر قسم کے مضامین عرب جاہلیۃ نے ایجاد کئے۔ پھر متاخرین نے اُن کو ترقی دی۔ اور نئے نئے پیرائے نکالے تمام کتاب اسی دعویٰ کے ثبوت میں ہے مصنف ہر مضمون کے لئے عرب جاہلیۃ کا ایک شعر نقل کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ اسلامی شعراء میں سے فلاں شاعر نے اسی مضمون کو ذرا بدل کر اس طرح لکھا۔ پھر دولت بنو امیۃ اور عباسیہ کے شعراء نے اسی سے اور اور صورتیں پیدا کیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر مصنف کی وسعت نظر اور دقیقہ سنجی پر حیرت ہوتی ہے اور ساتھ ہی افسوس ہوتا ہے کہ متاخرین اس قسم کی نادر تصنیف کی پیروی نہ کر سکے۔ کہ آج اس مضمون پر متعدد کتابیں ملتیں +

(۵) مشہور حکما اور ائمۂ فن کی کتابیں جس کثرت سے یہاں موجود ہیں اور کہیں نہیں۔ مل سکتیں۔ امام غزالی۔ بوعلی سینا۔ فخر رازی۔ فارابی کی وہ کمیاب تصنیفات جن کے نام صرف ابن خلکان وغیرہ کے ذریعہ سے معلوم ہیں۔ اکثر یہاں موجود ہیں۔ معارف و حقیقت کے متعلق بوعلی سینا اور حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی آپس میں جو خط و کتابت وقتاً فوقتاً ہوئی ہے وہ رسالوں کی شکل میں موجود ہے +

حکما اور ائمۂ فن کی تصنیفات

ابن سینا کی نسبت یہ امر مدتوں سے بحث طلب ہے کہ اس نے فلسفۂ یونانی پر کچھ اضافہ کیا ہے یا نہیں۔ کتاب الشفا میں اُس نے لکھا ہے کہ "میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ارسطو

کا فلسفہ ہے اپنے خاص فلسفہ کو میں نے حکمۃ مشرقیہ میں لکھا ہے" یورپ والوں کو اس کتاب یعنی حکمت مشرقیہ کی نہایت تلاش ہے اور چونکہ ان کو یہ کتاب نہیں مل سکی۔ اس لئے پروفیسر منک نے اپنی کتاب ربط فلسفہ الیہود والاسلام میں لکھا ہے" کہ حکمۃ مشرقیہ ہم کو ملتی نہیں اور جو کتابیں ملتی ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن سینا نے کچھ اضافہ نہیں کیا" کتب خانہ جامع ایا صوفیہ میں اس نایاب کتاب کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے مسلمان تو اس کے پڑھنے اور فلسفہ یونانی سے موازنہ کرنے کی زحمت کب گوارا کرتے لیکن اگر یورپ والوں کو یہ کتاب ملجاتی تو کچھ شبہ نہیں کہ اس بحث کا کہ مسلمانوں نے فلسفہ یونانی میں کچھ اضافہ کیا یا نہیں قطعی فیصلہ ہوجاتا میں نے قلت فرصت کی وجہ سے اس کتاب کو سرسری طور پر دیکھا۔ بظاہر اس میں کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زیادہ تدقیق کی نگاہ سے دیکھنے کا موقع ہوتا تو کچھ رائے قائم ہوسکتی +

تاریخ اور ادب کی بعض کتابوں کے نام

تاریخ اور ادب کی نایاب کتابیں جو میں نے یہاں دیکھیں۔ ان میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی تمام وکمال تاریخ اسلام از علامہ ذہبی ۸ مجلد۔ تاریخ الحکما از جمال الدین القفطی۔ تاریخ کبیر امام بخاری ۳ مجلد۔ تجارب الامم ابن مسکویہ منتظم لابن الجوزی۔ مرآۃ الزمان لسبط ابن الجوزی۔ مسالک الابصار لابن فضل اللہ۔ ۲ مجلد عقد الجمان البدر الدین العینی ۱۰ مجلد۔ مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر لجمال الدین بن مکرم الانصاری ۳ مجلد۔ رحلۃ ابن خلدون۔ نہایت الارب للنویری۔ طبقات الادبا لیاقوت الحموی۔ طبقات کبریٰ لابن سعد۔ طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی۔ کتاب الاشراف البلاذری تمام وکمال سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔ کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ صناعتین للعسکری۔ دلائل الاعجاز لعبد القاہر الجرجانی۔ تذکرہ ابن حمدون۔ شرح تبریزی بر دیوان ابو تمام دیوان ابونواس مکمل۔ سرقات المتنبی لابن العمید۔ مجموعہ رسائل ابواسحٰق صابی +

کتب خانوں کے ذکر میں مجھ کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ یہ نایاب

کتب بینی ذوق یہاں کے باشندوں کا شوق نہ ہونا

کتابیں یہاں بالکل بیکار ہیں۔ اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لئے کھلتے ہیں اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے مسلسل تعطیل رہتی ہے ان باتوں کے ساتھ اعلےٰ مذاق کی یہ کمی ہے کہ نایاب اور قدیم کتابیں یوں ہی پڑی رہتی ہیں۔ کوئی شخص ان کو اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا کتب خانوں میں میں جب لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول دیکھتا تھا۔ تو ہمیشہ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ کہ کس قسم کی کتابیں ان کے پیش نظر ہیں۔ لیکن میں نے کسی کے سامنے۔ مختصر معانی۔ ایساغوجی۔ شرح وقایہ۔ جلالین وغیرہ کے سوا کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ البتہ کبھی کبھی غیر ملکوں کے نامور علما آنکلتے ہیں ان کو نایاب اور عمدہ کتابوں کی جستجو رہتی ہے +

حقیقت یہ ہے کہ کل دنیائے اسلامی میں تعلیم کا طریقہ ایسا ابتر اور ذلیل ہو گیا ہے کہ چند درسی کتابوں کے سوا لوگوں کو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی جس کا یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جس قدر کہیں کہیں کچھ رہ گیا ہے آئندہ اسکی بھی امید نہیں +

تنبیہ۔ میں نے کتب خانوں کے بیان میں جو تفصیل کی وہ ایک خاص غرض سے کی۔ اور میں چاہتا ہوں کہ قوم کو اسکی طرف متوجہ کروں یورپ میں اس قسم کی متعدد انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد قدیم عمدہ کتابوں کا بہم پہونچانا اور ان کو چھاپ کر شائع کرنا ہے۔ انہیں انجمنوں کی بدولت عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہم کو میسر آئی ہیں جنکے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ یہی انجمنیں ہیں جنہوں نے تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری کا کامل نسخہ بہم پہونچایا۔ اور اسکی بہت سی جلدیں چھاپ کر شائع کیں۔ حالانکہ مصر و روم کے علما اس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو یقین دلادیا تھا۔ کہ وہ دنیا سے ناپید ہو چکی۔ بے شبہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہم کو اس کا علانیہ اقرار کرنا چاہیئے۔ بزرگان قوم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس قسم کی

ایک عظیم الشان انجمن بنائیں۔ عام چندے سے کافی سرمایہ جمع کیا جائے۔ قابل اور لائق مصنفین۔ کتابوں کے انتخاب کے لیئے ممبر مقرر ہوں قسطنطنیہ اور مصر سے کتابیں نقل کرا کر منگائی جائیں اور چھاپ کر شائع کی جائیں۔ یہ کام بظاہر عظیم الشان اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اگر چار کروڑ مسلمانوں میں سے ۱۰۰ مسلمان بھی آمادہ ہو جائیں اور ایک قلیل مقدار چندے کی دینا گوارا کریں تو اس کام کا انجام پانا کچھ مشکل نہیں۔ حیدرآباد میں دائرۃ المعارف الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جس کے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ وہ ہماری گزارش پر توجہ کریگی ہم شکرگزاری کے ساتھ اسکی علمی فیاضیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو ہن کو اس سے زیادہ فیاضیوں کی ضرورت ہے اور ہم کو امید ہے کہ دائرۃ المعارف اور زیادہ توجہ اور اہتمام سے اس مقصد پر متوجہ ہوگی ؞

زوایا یا خانقاہیں

زوایا

خانقاہیں جن کو یہاں تکیہ اور تکایا کہتے ہیں نہایت کثرت سے ہیں۔ اخیر رپورٹ جو مرتب ہوئی ہے اس میں ۳۰۵۔ خانقاہوں کے نام مع تفصیل مقام و دیگر حالات کے درج ہیں۔ لیکن خانقاہ کے لفظ سے وہ معنی مقصود نہیں جو ہمارے ملک میں مستعمل ہیں۔ ان ممالک میں یہ ایک عجیب فیاضانہ طریقہ ہے جو درحقیقت حیرت انگیز ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں ہر ملک اور ہر فرقہ کے لئے جدا جدا خانقاہیں ہیں۔ اُس ملک اور فرقہ کا مسافر وہاں آنکلتا ہے تو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے خانقاہ میں جا سکتا ہے۔ اور جب تک چاہے قیام کر سکتا ہے کھانا اور ایک وقت کی چائے مفت ملتی ہے۔ یہ فیاضی یہاں تک عام ہے کہ باوجود بعد مسافت اور بے تعلقی کے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس حلب۔ موصل۔ دیاربکر۔ اِن تمام مقامات میں ہندوستانیوں کے لیئے جدا خانقاہیں ہیں۔ اور اُن کے

لئے گوشت اور جنس کی ایک مناسب مقدار مقرر ہے +

یہ خانقاہیں امرا اور رئیسوں نے قائم کی ہیں۔ اور اسقدر جائداد وقف کر دی ہے۔ جس سے مقررہ مصارف ہمیشہ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر خانقاہ میں ایک شیخ ہوتا ہے۔ جس کو معقول تنخواہ و خوراک ملتی ہے اور خانقاہ کا تمام انتظام اُس سے متعلق رہتا ہے میں نے متعدد خانقاہوں کی سیر کی بعض بعض کی عمارت خوش ۔۔ اور موزوں ہے۔ کھانے کی نوعیت اور مقدار بھی کافی ہے۔ خاص قسطنطنیہ کی خانقاہوں کے سالانہ مصارف کا تخمینہ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت ترکوں کی فیاضی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس زمانے میں یہ طریقہ قائم ہوا تھا۔ اُس عہد کے لحاظ سے نامناسب بھی نہ تھا +

تم نے عربی تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ تمام ممالک اسلامی میں سیاحوں اور طالب علموں کا ایک تانتا بندھا رہتا تھا وہ انہیں خانقاہوں اور زاویوں کی بدولت تھا۔ ابن بطوطہ کو اپنے عالمگیر سفر میں اسی طریقہ کی وجہ سے مدد ملی تھی۔ چنانچہ اُس نے سفرنامے میں ان زاویوں کو نام بنام لکھا ہے لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو مفید تدبیریں مضر بنجاتی ہیں مسلمانوں کو سیر و سیاحت۔ جغرافیانہ تحقیقات تحصیل علم کا مذاق تو جاتا رہا۔ اس لئے اب یہ طریقہ کاہلی مفت خوری۔ دریوزہ گری کا ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور قومی زندگی کو نہایت نقصان پہونچا رہا ہے۔ میں نے اکثر خانقاہوں میں خود جا کر دیکھا۔ کئی کئی برس کے آئے ہوئے مسافر پڑے ہیں۔ نہ کسی قسم کا شغل ہے نہ کچھ کام ہے۔ لکھنؤ کے عہدیوں کا جو حال سُنا کرتے تھے۔ یہاں آنکھوں سے نظر آتا ہے شیوخ جن کو خانقاہ کا انتظام سپرد ہوتا ہے اور تمام نقد و جنس انکے اہتمام میں رہتی ہے عموماً خائن اور بددیانت ہیں۔ خود نہایت آرام و عیش سے بسر کرتے ہیں اور مسافروں کے لئے جو مقدار مقرر ہے اُس کا آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی بھی ان کو نہیں دیتے۔ ہندی خانقاہ کے شیخ ایک

خانقاہوں سے قومی زندگی کو نقصان پہونچانا

صاحب ہیں۔ انھوں نے کئی بیبیاں کر لی ہیں۔ خانقاہ سے الگ ایک مکان بنوا لیا ہے اکثر وہیں رہتے ہیں۔ ڈھائی سیر گوشت جو روزانہ خانقاہ کے لئے مقرر ہے وہ قریباً کل حضرت کے تصرف میں آتا ہے اور مسافروں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خانقاہ کی عمارت جا بجا سے ڈھے چلی ہے صحن میں ایک کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا ہے مختصر یہ کہ وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے۔ میں نے اور جن خانقاہوں کو دیکھا وہ اگرچہ ہندی خانقاہ سے ہر بات میں بہتر تھیں لیکن دیانت اور راست بازی کا پتہ کہیں نہیں ملتا۔ اس طرح کئی لاکھ سالانہ کی رقم نہایت بُری طرح برباد ہوتی ہے۔

مساجد جامع۔ اور مشہور مقامات

جامع مسجدوں کی کثرت اور ان کی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے قسطنطنیہ دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ محمد فاتح کے عہد سے جو اس دارالخلافہ کا پہلا تخت نشین تھا آج تک جس قدر فرمانروا گزرے ہر ایک کی (بجز چند کے) ایک جامع مسجد موجود ہے۔ اور بڑی شوکت و شان کی ہے۔ ان میں سے جامع فاتح۔ جامع سلیمان۔ جامع بایزید۔ جامع والدہ سلطان۔ جامع سلطان احمد۔ جامع ایا صوفیہ زیادہ ممتاز ہیں اور ان سب میں جامع ایا صوفیہ اور بھی زیادہ عالیشان اور پُرشوکت ہے۔ ان مسجدوں کی وضع ہمارے یہاں کی مساجد سے بالکل الگ ہے۔ نہ دالان نہ محرابیں۔ نہ صحن۔ صرف ایک گنبد ہوتا ہے۔ لیکن اس قدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی اس میں آ سکتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کے مذاق کے لحاظ سے ان مسجدوں کو خوبصورت اور موزوں نہیں کہہ سکتے تاہم گنبد کی بے انتہا وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعۃً متحیر بلکہ مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتا ہے ہر مسجد میں کئی کئی سو بتیوں کے آہنی جھاڑ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ کا رواج بہت قدیم زمانے سے ہے اسپین کی عربی تاریخوں میں ثریا کے لفظ سے غالباً اسی قسم کے جھاڑ مراد ہیں۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں شیشے اور بلور کے جو نقشے تھے یہاں نہیں دیکھے گئے ہیں۔ عموماً تمام مساجد میں ایک خاص التزام ہے اور اس سے قیاس ہوتا ہے کہ سلاطین ترک کو مذہب تسنن میں نہایت غلو تھا اور بات بات میں اس کا اظہار کرتے تھے۔ عموماً ہر مسجد میں محراب کی بڑی بڑی ڈھالیں چاروں کونوں پر ہوتی ہیں اور ان پر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حرفوں میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی لکھا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح زیب و آرائش کے لئے دیواروں پر استادوں کے لکھے ہوئے قطعے لٹکاتے ہیں۔

مسجد کی آراستگی

تمام مسجدیں پُر تکلف اور آراستہ ہیں معمولاً چٹائی اور جمعہ و عیدین کو عمدہ اور بیش قیمت قالین کا فرش بچھتا ہے۔ مسجد کے ایک طرف کچھ زمین چھوٹی ہوتی ہے جس میں وضو کرنے کے لیئے سقاوہ بنا ہوتا ہے۔ میں نے اس بات کو نہایت پسند کیا کہ یہاں حوض کا مطلق رواج نہیں۔

جامع ایاصوفیہ

جامع ایاصوفیہ جو سب سے زیادہ عالیشان ہے اور تمام مسجدیں اسی کے نمونے پر بنی ہیں درحقیقت ایک بہت بڑا گرجا تھا جس کو قسطنطین نے ۳۲۵ء میں تعمیر کیا تھا۔ سات برس تک اس کی تعمیر جاری رہی اور سو معمار اور دس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ محمد فاتح نے کسی قدر تغیر کر کے اس کو مسجد بنالیا۔ ابن بطوطہ نے اس کو گرجا ہونے کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ یہ رومیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے اور چونکہ کوئی غیر شخص اسکے اندر نہیں جا سکتا اس لیے میں اندر کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا۔ باہر سے اسکی یہ صورت ہے کہ ایک میل کا احاطہ ہے اور تمام زمین میں رخام کا فرش ہے۔ بیچ میں ایک نہر ہے جسکے دونوں کنارے پر ایک ہاتھ بلند رخام کی دیوار ہے اس دیوار میں عمدہ پچی کاری کا کام ہے۔ اور نہایت عمدہ بیل بوٹے بنے ہیں گرجے کا دروازہ چاندی اور سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے۔ لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوا کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اس گرجے میں دن رات رہتے ہیں"۔

ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی افسوس وہ اب باقی نہیں رہی۔ احاطہ جس میں نہر تھی مسجد سے بالکل باہر ہے اور قہوہ خانہ بن گیا ہے۔

واقعی یہ عمارت عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے بیچ کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۰ فٹ ہے ۱۷۰ ستون ہیں اور کل سنگ سماق اور رخام کے ہیں ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار ہاتھ سے کم نہیں۔ دروازہ جو قسطنطین کے زمانے کا ہے اور تانبے کا ہے اس پر قدیم زمانے کی تصویریں بنی ہیں۔ اور اب تک قائم ہیں۔ چھت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی جو تصویریں تھیں۔ اُنکے آثار اب بھی موجود ہیں +

قابل دید مقامات +

قابلِ یاد مقامات بہت ہیں مثلاً یونانیوں کے معابد قدیم۔ سلح خانہ۔ خزانہ یعنی جہاں تمام سلاطین عثمانیہ کی پورے قد کی تصویریں مع اصلی لباس و اسلحہ و جواہرات کے ہیں توپوں کے ڈھالنے کا کارخانہ۔ موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ قدیم جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے ہیں۔ اس میں سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن میں اکثر مقامات کو نہ دیکھ سکا۔ اس لیئے انہیں پر اکتفا کرتا ہوں جسکی خود میں نے سیر کی +

ترسخانہ یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ بہت بڑا عظیم الشان کارخانہ ہے اور چونکہ حربی صیغہ سے تعلق ہے محکمہ بحریہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا۔ خوش قسمتی سے محکمہ بحریہ کے ایک معزز عہدہ دار ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے شناسا تھے۔ اُنہوں نے مہربانی سے ایک عہدہ دار کو ساتھ کر دیا۔ جس نے ہم کو تمام کارخانے کی بخوبی سیر کرائی۔ یہ صاحب عربی خوب سمجھتے اور بولتے تھے۔ اور اس وجہ سے ہم ہر ایک بات کو تفصیلاً دریافت کر سکتے تھے۔ یہ کارخانہ مختلف حصوں میں منقسم ہے جس کا صدر مقام ایک بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے جہاں متعدد بڑے بڑے انجن ہیں اور اُن کے ذریعہ سے سیکڑوں کلیں چلتی ہیں۔ ہمارے رہنما نے اول ہم کو اوپر کے درجے کی سیر کرائی۔ پہلے ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ وہاں چند معزز افسر ایک ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے ایک جہاز کا نقشہ طیار کر رہے تھے۔ نقشہ جب طیار ہو جاتا ہے۔ تو دوسرے آفس میں بھیجدیا جاتا ہے۔ جہاں اُس نقشے کے موافق جہاز کا مختصر

سا نمونہ طیار کیا جاتا ہے۔ یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے اور باوجود مختصر ہونے کے جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے۔ یہ نمونہ اول سلطان کے لاحظہ میں پیش ہوتا ہے۔ اور منظوری کے بعد اسی کے نمونے کے موافق جہاز طیار کیا جاتا ہے۔ ان اگلے جہازوں کے دقائق اور نکتے تو میں کیا سمجھ سکتا تھا لیکن ظاہر نہایت دقیق نظر اور استادی کا کام معلوم ہوتا تھا۔

ان چیزوں کو دیکھ کر ہم نیچے اترے۔ یہاں سیکڑوں کلیں چل رہی تھیں اور جدا جدا کام ہو رہے تھے۔ ایک طرف پرزے ڈھل رہے تھے۔ ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں پر سیکڑوں من کا گھن پڑتا تھا اور چادریں بنتی جاتی تھیں۔ اس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا لمبا احاطہ ہے وہاں ایک جہاز تھا جو بالکل طیاری کے قریب تھا۔ صرف چادر چڑھانی باقی تھی۔ ہم نے یہاں تارپیڈو کی بہت سی کشتیاں دیکھیں جو اسی کارخانہ سے طیار ہوئی تھیں اور سمندر میں ڈالی گئی تھیں۔ ان جہازوں میں اوپر کے درجے میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سارا جہاز لکڑی کا ایک سپاٹ تختہ نظر آتا ہے۔ آلات حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں یعنی باورچی خانہ۔ خوابگاہ کھانے کا کمرہ۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے وہ اندر ہوتا ہے ہمارے رہنما نے ہم کو ایک کشتی کی سیر بھی کرائی۔ لیکن چونکہ اندر جگہ بہت کم ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا اور ہم جلد باہر نکل آئے نہایت قابل تعریف بات یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ صرف ترک چلاتے ہیں۔ تمام افسر اور کاریگر اور ملازم ترک ہیں۔ صرف ایک یورپین معمولی درجے کا ملازم ہے اور وہ بھی قدامت کے لحاظ سے بحال رکھا گیا ہے۔ انجن بھی یہاں تیار ہوتے ہیں اور ترکوں کا بیان ہے کہ یورپ کے بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے ایک افسر نے مجھ سے کہا کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہم کو یورپ کی احتیاج نہیں رہی۔

تارپیڈو کی کشتیاں

ینگی چری

ینگی چری [illegible] ترکوں کی تاریخ میں ینگی چری کا لفظ نہایت مشہور ہے۔ [illegible] لفظ ہے سلطان آرخاں نے جو سلاطین ترک میں دوسرا تخت نشین تھا سنہ [illegible] ہجری میں حکم دیا۔ کہ

اسیرانِ جنگ سے جو ہر سال کثرت سے گرفتار ہو کر آتے تھے ایک خاص تعداد منتخب ہو کر ایک فوج طیار ہو۔ حاجی بکتاش نے جو سلطان کا مرشد تھا۔ اس فوج کا نام ینگ چری رکھا۔ جس کے معنی ترکی زبان میں فوج جدید کے ہیں۔ فتوحات کی کثرت سے اس فوج کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد یہی فوج حکومت کی دست و بازو بن گئی۔ یہ عجیب بات ہے اگرچہ یہ گرفتارانِ جنگ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تھے۔ اور اور فوج میں داخل ہو کر بھی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے۔ تاہم ترکی حکومت کے ساتھ اُن کو یہ اخلاص تھا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ترکوں نے جو ایک مدت تک یورپ کو اپنا صید زبوں بنا رکھا تھا وہ انہیں جانبازوں کی بدولت تھا۔ ۱۸۲۶ء میں جب سلطان المحمود نے یورپ کے اصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا۔ تو ان لوگوں نے بغاوت کی سلطان نے ایک جدید فوج پہلے سے طیار کر رکھی تھی۔ اہل شہر نے بھی شاہی جدید فوج کا ساتھ دیا۔ غرض خاص قسطنطنیہ میں ایک سخت معرکہ ہوا۔ ینگ چری فوج بالکل برباد ہو گئی۔ اس کے ساتھ شاہی فوج کو بھی سخت نقصان پہونچا اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام جان سے مارے گئے۔

یہ مکان اسی معرکہ کی عبرت انگیز یادگار ہے وزیر اعظم۔ شیخ الاسلام اور ینگ چری فوج کے تمام بڑے بڑے نامور افسروں کی پورے قد کی مورتیں ہیں۔ سپاہیوں اور سپہ سالاروں کی پر رعب شکلیں۔ قدیم زمانے کا لباس اور اسلحہ حرب۔ سکوت اور خاموشی کا عالم۔ یہ تمام باتیں جمع ہو کر کچھ ایسا ہیبت انگیز سماں پیدا ہو گیا ہے کہ دن کو وہاں جاتے ڈر لگتا ہے۔ دو پہلوانوں کو میں نے دیکھا۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ سر پر خود۔ چہرہ پر جھلم۔ ہاتھوں میں آہنی دستانے۔ بدن پر زرہ اور چار آئینہ۔ ٹخنوں تک کے آہنی موزے۔ غرض آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کردی جوان ہیں۔ جو خاص پایگاہ کی خدمت پر مامور تھے۔ میرے تخمینہ میں ایک من لوہے سے کم بوجھ اُن کے

بدن پر رہتا تھا۔ تعجب ہے کہ اس قدر وزن کے ساتھ وہ لڑتے کیونکر تھے۔ افسروں کے لباس عجیب و غریب قسم کے ہیں۔ بعض بعض کی پگڑیاں ہاتھ ہاتھ بھر اونچی ہیں۔ یہاں ہر وقت سرکاری پہرہ رہتا ہے اور ٹکٹ حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا +

عجائب خانہ

موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ۔ عجائب خانے دو ہیں۔ ایک سرکاری جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے اور اس قسم کی یادگار چیزیں ہیں۔ سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے۔ افسوس ہے کہ مجھ کو اس کی سیر کا اتفاق نہیں ہوا +

دوسرا کسی عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے۔ عمارت اور اور تمام چیزیں معمولی ہیں۔ جو کچھ سیر کے قابل ہے وہ دُنیا کے مختلف حصوں کے آدمیوں کی مورتیں ہیں۔ یہ مورتیں اس خوبی سے بنائی ہیں کہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک عورت دیکھی جس کے ہونٹ نہایت موٹے تھے اور نیچے کے ہونٹ میں آرپار چھید کر کے لکڑی کی گُلی ڈالی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ وہاں کا زیور ہے۔ پہلے تو مجھ کو نہایت تعجب ہوا۔ پھر خیال آیا کہ ہمارے ملک میں ناک۔ کان چھید کر نتھ اور بالیاں وغیرہ پہناتے ہیں۔ تو ہونٹوں نے کیا قصور کیا ہے کہ اس زینت سے محروم رکھے جائیں +

ایک عجیب تماشا

یہاں میں نے ایک عجیب درد انگیز تماشا دیکھا جس کا اثر دیر تک میرے دل پر رہا۔ ایک جداگانہ کمرے میں چند عورتیں ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ایک شکنجہ میں دابی جارہی ہے ایک کی پیٹھ پر جلتے ہوئے لوہے کی پٹڑی رکھدی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار انگل کھال اُتر گئی ہے۔ اسی طرح اوروں کو عجیب عجیب طریقے سے اذیت دیجارہی ہے۔ یہ عورتیں صورت اور وضع و لباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر کمسن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیویوں پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کی ہوگی!! دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ تو عموماً مسلمان تبدیل

مذہب پر مجبور کیئے گئے اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا اُن کو انواع و اقسام کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور بیکسی اور کمزوری کے لحاظ سے عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعے کی یادگار ہیں۔ اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ آہا! یہی عیسائی ہیں جو ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا!!! -

میں یہ سمجھا کہ عجائب خانے کے بانی نے جو عیسائی ہے ان تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے۔ کیا وہ عیسائیوں کا پُر فخر کارنامہ دکھانا چاہتا ہے؟ اور حکومت ترک جو اس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تعصبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟ میں تو اس بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات کسی قدیم زمانہ میں پیش آئے دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں +

سیرگاہیں

قسطنطنیہ اور اس کے اطراف و جوار میں کثرت سے عجیب پر لطف قدرتی سیرگاہیں ہیں اور غنیمت یہ ہے کہ شہر والے اس نعمت کے قدرشناس بھی ہیں۔ ہر سیرگاہ کے لیئے ایک خاص دن مقرر ہے اس دن وہاں عجب پر لطف مجمع ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک والے قدرتی مناظرہ کے مذاق سے آشنا نہیں ورنہ خاص ان سیرگاہوں کے دیکھنے اور ان سے مزہ اُٹھانے کے لیئے لوگ قسطنطنیہ کا سفر کرتے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہ خیال کی جاتی۔ ان میں سے میں نے دو تین کی سیر کی اور انکے مختصر حالات لکھتا ہوں +

خونکر صوی — خونکر صوئی۔ قسطنطنیہ کی تمام سیرگاہوں میں سب سے زیادہ پر لطف اور دلفریب ہے۔ اسی بنا پر اسکو سلطان اعظم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ خونکر۔ فارسی لفظ خونگر کی تحریف ہے ترکی میں خون کا مالک یا خوں ریز بادشاہ وقت کو کہتے ہیں اور صوئی کے معنی پانی اور چشمہ کے ہیں۔ اس بنا پر خونگر صوئی کا لفظی ترجمہ "شاہی چشمہ" ہے۔ یہ مقام شہر سے

بیس پچیس میل کے فاصلے پر ہے۔ پہاڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور نہایت
شاداب اور سرسبز ہے۔ اس میں ایک قطعہ نہایت موزوں نکل آیا ہے جو پہاڑ کی بلند سطح پر
واقع ہے۔ خاص جس جگہ تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ وہ نہایت پُر لطف مقام ہے
سایہ دار درختوں کی دو رویہ قطاریں ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا
ہے۔ ایک طرف آبشار ہے جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا جاتا ہے۔ درختوں کے
نیچے جابجا دو دو چار چار آدمیوں کی ٹکڑیاں ہوتی ہیں۔ چائے اور قہوہ کا دور چلتا ہے
حوض پر باجا بجتا ہے اور فرنچ اور ترکی گانا ہوتا ہے۔ بھانڈ نقلیں کرتے ہیں +

پانچ چھ زینے چڑھ کر پہاڑ کی اصل چوٹی ہے اور وہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہے۔ یہ
خاص عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور کثرت سے ترکش لیڈیاں جمع رہتی ہیں۔ نازک اندام
عورتوں کے لئے بیس تیس میل کی مسافت۔ پہاڑ کی چڑھائی۔ گھوڑے یا خچر کی
سواری کچھ کم تکلیف کی بات نہیں لیکن یہ جگہ کچھ ایسی دلاویز ہے کہ سب تکلیفیں
اس کے لئے گوارا کی جاسکتی ہیں +

مقری کوئی۔ یہ ایک قہوہ خانہ ہے جو سمندر کے کنارے پر ہے اور نہایت پُرفضا مقری کوئی
مقام ہے۔ موجیں بار بار کنارے سے آکر ٹکراتی ہیں اور عجیب مزہ آتا ہے۔ یہاں ایک
خاص بات یہ ہے کہ چھ سات یہودی عورتیں ایک بلند چبوترہ پر بیٹھ کر عربی گیت گاتی
ہیں۔ چونکہ میں نے اس سے پہلے عربی راگ نہیں سنا تھا۔ مجھ پر ایک خاص اثر ہوا سب
ملکر ساتھ گاتی تھیں۔ اور دف کی قسم کا ایک باجا بجاتی جاتی تھیں +

محرّم

یہاں کا محرّم بھی ایک قابلِ ذکر چیز ہے۔ اہلِ عجم جو مختلف تعلقات کی وجہ سے قسطنطنیہ کا محرّم
یہاں بود و باش رکھتے ہیں۔ اُن کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے۔ دیت کے سرکاری

محکموں میں ملازم ہیں۔ بہت سے تاجر۔ پیشہ ور۔ اور مزدور ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ شہر کے تمام حصّوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن کثرت سے جہاں رہتے ہیں وہ والدہ خانہ نام ایک محلہ ہے محرم کے زمانے میں صوم وھام کی مجلسیں اور نوحہ و بکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت اللفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے اور درحقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول ممبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہوکر زبانی جناب امیر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل مناقب کے متعلق اشعار پڑھتا ہے۔ پھر ایک مستعد عالم ممبر پر بیٹھکر حالات کربلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے۔ مجھ کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ ترک عموماً ان محفلوں میں ادب اور خلوص کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ ترکوں کے لحاظ سے بجز ایک دو موقع کے تمام مجلسوں میں وعظ جو ہوتا ہے ترکی ہی زبان میں ہوتا ہے ٭

ماتم کے چند طریقے ہیں۔ اور بعض نہایت عجیب اور مؤثر ہیں۔ ادنےٰ درجے کا ماتم یہ ہے کہ نہایت زور سے چھاتی پیٹتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس جگہ کا گوشت ابھر آتا ہے۔ دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنا ہے تیس تیس چالیس چالیس آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے۔ اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں۔ کہ دور تک آواز جاتی ہے تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنیکا ہے۔ اور وہ شب شہادت کے ساتھ مخصوص ہے ماتم کرنیوالے ہاتھوں میں تلواریں لیئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور عجیب جوش و خودرفتگی کے عالم میں یا حسین کہے جاتے اور سر و پیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں۔ زخموں سے خون کی چھینٹیں اڑاڑ کر تمام بدن پر پڑتی ہیں اور حلقۂ ماتم گویا لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ اس عبرت انگیز ہنگامہ کے دیکھنے کے لئے خلقت کا نہایت ازدحام ہوتا ہے۔ اور مشکل سے وہاں تک رسائی ہوتی ہے ٭

سلاملق یا موکب سلطانی اور عید اضحی

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پر اثر اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں۔ اس لئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان عام طور پر قصر شاہی سے باہر نہیں نکلتے۔ صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے۔ زبان یا قلم کے ذریعے سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے۔ تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے۔ کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشا دیکھتے ہیں یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں۔ اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے۔ معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ چنانچہ ہر جمعہ کو ان تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے +

میں ہندوستان میں یہ حالات سُن چکا تھا۔ اس لئے قسطنطنیہ پہونچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہوگئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہنچا۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ حسین حسیب آفندی جو کسی زمانے میں بمبئی ٹرکش کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولس کمشنر ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعے سے

جانتے تھے کہ ہمارے روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم ہنین کے ذریعے سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھوں گا۔ لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازے پر ان کا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہوگئیں۔ اور تمام راستے رک گئے میں مایوس ہوکر مسجد میں داخل ہوا۔ اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام میدان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب آپہونچی اور یہ "بادشاہم چوق یشا"[1] کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے یہ نعرے پے درپے تین بار بلند ہوئے۔ گو کہ سلطانی مسجد تک آپہونچا اور نعروں کی گونج ابھی ختم نہیں چکی تھی۔ کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدہ جمال کا انتظار کررہا تھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں ہمارے دل پر عجیب اثر کرتی تھیں۔ سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہنکر جاسکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھیری مسجد دومنزلہ ہے اور اوپر کی مسجد میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے سلطان گاڑی سے اترکر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیے گئے۔ کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑسکے +

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا۔ عرب نہ تھا اس لئے اس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے تاہم دوسرا خطبہ شروع ہوا۔ اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ

---

[1] اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے ۱۲

کرکے پُرجوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے۔ اللھم انصر ھذا السلطان السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور دیر تک زبان سے دعا یہ الفاظ نکلتے رہے عین اس موقع پر ایک بارگی پندرہ بیس شخص جن کے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے، اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کرکے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے داب اور سکون کے خلاف تھیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں دریافت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر حیا دار اور فیاض ہے۔ اس طریقے کو بند نہیں کیا جاتا +

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں تم کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا۔ تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا۔ لیکن میں تمہارے لیئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے۔ تو **سلطان** گیلری سے اُترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہوسکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھیرے۔ افسرانِ فوج اور پاشاصحن کے داہنی طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے حسین حسیب نے مجھ کو اسی صف میں لاکر کھڑا کردیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر (حسن اخلاق کی وجہ سے) پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کردی +

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے۔ فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں ایوان شاہی

کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازے سے داخل ہوتی تھیں۔ اور دوسرے دروازے سے نکلجاتی تھیں۔ صفوں کی ترتیب ۔ سوار ۔ پیادہ ۔ بحری ۔ بری ۔ توپچی برق انداز ۔ ترک ۔ کرد ۔ عرب ۔ کے جداجدا دستے موزون اور باقاعدہ رفتار زرق برق اسلحے مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں ۔ فوجوں کا پے درپے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شاہنشاہ کے سامنے سے گذرنا ۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہوسکتا ۔ عربوں کا رسالہ جو امپریل گارد ہے ۔ ان کے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اُڑ کر عجیب لطف دکھاتے تھے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم وبیش دس ہزار فوجیں گزریں ۔ اخیر میں سلطان کے دونوں شہزادے آئے اور عجیب شان سے آئے ۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے ۔ اور اُن کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا شہزادے بھی جاچکے تو سلطان زینہ سے اُترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعۃً سلام کو جھکیں ۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤنگا لیکن از خود رفتگی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا ۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی +

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے ۔ افسروں نے دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب و غریب سماں دفعۃً آنکھوں سے چھپ گیا ع دیدہ من باز بخواب ہنوز ۔ سلطان جس وقت زینے سے اُتر کر گاڑی کی طرف بڑھے ۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا ۔ اور اِس وجہ سے میں اچھی طرح اُن کو دیکھ سکا سلطان کا حلیہ یہ ہے

قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرہ۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ اور معمولی ترکش ٹوپی تھی +

سلاملق کی رسم

ترکوں میں سلاملق کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے اس سے فقط شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پایہ تخت، اور اسکے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے۔ اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں +

یہ تماشا دیکھکر قیامگاہ پر واپس آیا۔ تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے جاتے تھے۔ قلم وکاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کیے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی بڑھکر سامان ہوگا۔ اس کو بھی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جس قدر اشعار اس وقت تک موزوں ہوگئے تھے لکھ کر چھوڑ دئے تمہید کے آخر کے اِن اشعار سے۔

دین کہ بہر سید کہ زاں جلوہ گاہ	تا چہ بود حاصل چشم ونگاہ

اِس شعر تک

بزم چو از جلوہ زیبا پُر است	دامن چشم ز تماشا پُر است

یہی پُر اثر اور پُر جوش نظارہ مراد ہے +

عید کا جلوس

عید کے دن سلاملق نہ تھی اور اس وجہ سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان وشوکت جاہ وجلال۔ جوش واثر سلاملق سے بھی کچھ بڑھ کر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں

لوگوں کو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدھ میل تک تھیں اور ان کی وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر زریں پھول۔ دامن اور آستینوں پر کلابتون کی تحریر۔ سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اٹھا۔ یہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا اور ہر قدم پر اس زور سے **بادشاہم چوق یشا** کا نعرہ بلند ہوتا تھا کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا +

میں یہ سماں دیکھ کر واپس آیا تو قلم دوات لیکر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے دوسروں کو بھی دکھا سکوں لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کھینچی ہے وہ بالکل ناکمل تصویر ہے +

مثنوی عیدیہ

جون ۱۸۹۲ء

مقام قسطنطنیہ

قاصد فرخندہ من ہاں تعال — ہنئک اللہ مجسن المال
پیش رسیدیت سفرے ناگریز — گرم زہجا خیز درہ ہند گیر
زود رو و فکر دو عالم مکن — در نفسے راست کنی۔ ہم مکن
دیدہ براہ اند عزیزان ہند — جملہ گرامے گہرکان ہند
چوں تو دراں بزم کشی زمزمہ — دائرہ گردند بگردت ہمہ

تعال

تا ز حدیث تو شود بهره مند
هر یکے از جائے جهد چوں سپند

جمله بدیں حرف که ای نیکخوے
حرفی ازاں یار سفر کرده گوے

تا بچه حال ست و چساں ست و خود
رفت چها بر سرش از نیک و بد

بر روش و پیده دراں میسزید
یا که چو پیماں و خلاں میسزید

آر پس ایں محنت و رنج شگرف
از سفر روم چه بر دشت طرف

بزم خوشی بود تماشا چه کرد
کار پسے بود از انها چه کرد

در صف دانش طلبان چوں نشست
زاں چمن تازه بدامن چه بست

طے چو شود مرحلهٔ پرس و جُے
از من آواره بیاراں بگوے

کاے همه گنجینه کشایان فن
صدر نشیناں سر خواں فن

از کرم داور بالاؤ پست
حال من آں گونه که بایست هست

هم بهماں طرز و روش میزیم
زنده ام و فارغ و خوش میزیم

گرچه خودم با سر و ساماں نیم
نازکش حاجب و درباں نیم

نیست سر انجمن آرائیے
ایں منم و گوشهٔ تنهائیے

و ینکه بپرسید که زاں جلوه گاه
تا چه بود حاصل چشم و نگاه

هی چه تواں گفت که ذوق سخن
هر نفسم مے برد از خویشتن

گرچه نخواهم که نشینم خموش
فرصت آں کو که بیایم بهوش

گرچه بعرض سخن آماده ام
مست ز کیفیت ایں باده ام

بگذر ازیں حرف و دگر مپرس
خواب خوشی دیدم و دیگر مپرس

خوان سخن گرنه خود آراستم
عذر بینه محو تماشاستم

تندے مئے بود خرابم هنوز
دیدهٔ من باز و بخوابم هنوز

با تو چه گویم که چها دیده ام
شعبده ها پیش نظر چیده ام

بزم چو از جلوۂ زیبا پُر است
دامن چشم از تماشا پُر است

مہر چو از جیب افق سر کشید
خاست ز ہر جا چہ گلبانگ عید

دیدہ پُر از خواب چو بر خاستند
پیر و جواں جملہ تن آراستند

طفل کہ ایں شیوہ نداند درست
مادرش از مہر تن و روی شست

شیوہ و آئین طرب تازہ گشت
کوچہ و بازار پر آوازہ گشت

مژدہ رسید ایں کہ شہ چارہ ساز
زود بر آید بادائے نماز

تا برد از خوان کرم توشۂ
خلق بروں ریخت ز ہر گوشۂ

بسکہ عنان طلب انگیختند
طفل و جواں بر سر ہم ریختند

بیک نظر راہ تماشا نیافت
نقش قدم ہم بہ زمین جا نیافت

جملہ بصد شوق و بصد آرزوی
سوی نشانگاه شہ نہادند روی

سرمہ ز خاک رہ شہ خواستند
جا بگذر گاہ سپہ خواستند

از دو سوئے راہ بکسب شرف
خلق بآئین ادب بست صف

مہر چو در ہر جہت افشاند نور
کوکبۂ شاہ عیاں شد ز دور

گشت رواں از پی ہم خیل و فوج
موج تو گوئی کہ شکستی بموج

بود شعار ہمہ از ہم جدا
ہر ہمہ را رایت و پرچم جدا

پرتو آں اسلحۂ تابناک
نور ہمی ریخت بدامان خاک

با ہمہ تمکین چو گذشت ایں گروہ
گشت سیہ یکبار زمین پر شکوہ

غلغلہ بر خاست کہ بادا نوید
مہر جہانتاب خلافت دمید

داغ نہ جبہۂ خورشید و ماہ
حضرت خاقان خلافت پناہ

قاعدۂ دولت و دیں را مدار
آئینۂ رحمت پروردگار

پیکر لطف و کرم کبریائے
سایۂ یزداں شہ کشور کشائے

خسرو کشور شکن و فاتح کبیر
شاہ فلک عتبہ و گردون سریر

تا شجرِ دولت و فخر لے و دین
زیب وہ افسر و تاج و نگین

شاہ فلک کوکبہ عبد الحمید
ایدہ اللہ بنصر مزید

فرہ شاہی ز جبیں آشکار
حاشیہ بوساں بیمین و یسار

مرکب شہ پیش چو بگذاشت پای
خلق بہ یکبار در آمد ز جای

طلعت شہ باز چو چہر تو فگند
بانگ دعا گشت ز ہر سو بلند

شور بر آید کہ بود تا جہاں
باد بکام تو زمین و زماں

چرخ بداں مایہ کہ گردندہ است
زندہ بماں کہ تو جہاں زندہ است

زیب و طراز ہمہ عالم توئی
سایۂ یزداں بجہاں ہم توئی

جملہ بدانند کہ در غرب و شرق
ہست ترا تاج خلافت بفرق

این توئی امروز کہ در روزگار
ہست بہ دولت و دین اقتدار

تازگی یادِ حرمین از تو ہست
زیب و طراز حرمین از تو ہست

چند تو کہ ہست ای شہ انجم سپاہ
آنکہ بود شرع نبی را پناہ

فرۂ دین نبوی از تو ہست
بازوی اسلام قوی از تو ہست

شرع بجاہ تو چو شد ارجمند
باد بفرمان تو چرخ بلند

سکۂ اقبال بنام تو باد
ہر چہ بگیتی ہست بکام تو باد

ترکوں کے اخلاق و عادات و طرز معاشرت

قسطنطنیہ میں [illegible]

ترکوں سے میرا میل جول بہت کم تھا میرے ہم صحبت اور میرے احباب جس قدر تھے شام کے عرب تھے۔ اِس لیئے ترکوں کے اخلاق اور عادات کے متعلق میری واقفیت سرسری اور اجمالی ہے میں نے اکثر کالج و اسکول اور بعض صنعت وغیرہ کے کارخانے دیکھے۔ چند معزز عہدہ دارانِ ملکی سے ملا اور اُن کے یہاں دعوتیں کھائیں۔ قہوہ خانوں میں کبھی کسی سے ملاقات ہوگئی۔ ٹراموے اور ریل پر کسی سے تعارف ہوگیا۔ غرض اس قسم کے موقعے تھے جن میں مجھ کو ترکوں کے اخلاق اور عادات کا تجربہ ہوا۔ اور اس باب میں میں جو کچھ لکھوں گا اِنہی واقعات کی بنا پر ہوگا +

ہر چند میری واقفیت کے ذریعے اس قدر محدود ہیں۔ تاہم بعض امور کی نسبت مجھ کو بالکل یقین ہے کہ اُن کے متعلق میری جو رائے قائم ہوئی ہے وہ قطعاً صحیح ہے اور اُس میں ذرا بھی غلطی کا احتمال نہیں اِن میں سب سے مقدم ترکوں کی مہمان پرستی اور عام خوش اخلاقی ہے۔ کچھ شبہ نہیں۔ کہ ترکوں کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ ہیں۔ غرور و نخوت۔ ترفع اور کم بینی ان میں نام کو نہیں ہے۔ امیر و غریب۔ مزدور و عہدہ دار۔ وضیع و شریف۔ جاہل و عالم ہر درجے کے لوگوں سے مجھ کو سابقہ پڑا۔ لیکن خوش اخلاقی اور فیاض طبعی میں گویا سب ایک ہی مکتب کے شاگرد اور ایک ہی سانچے کے ڈھلے تھے۔ غازی عثمان پاشا جن کو پلونا کے واقعے نے تمام دنیا میں روشناس کردیا ہے۔ اور درویش پاشا جن کا پوتا سلطان کی دامادی کا شرف رکھتا ہے۔ اس مرتبے کے لوگ ہیں جیسے ہندوستان میں گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف۔ میں دونوں سے ملا ہوں اور جس تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اس کا اثر اب تک میرے دل میں ہے +

ترکوں کی مہمان پرستی اور خوش اخلاقی

ایک عام بات یہ ہے۔ کہ بازار میں چلتے چلتے تم جس شخص سے گو وہ کسی رتبے کا آدمی ہو راستہ پوچھو وہ نہایت مہربانی سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔ اور تم کو راستہ بتائیگا۔ بعض موقعوں پر مجھ کو نہایت تنگ اور پیچدار گلیوں سے گزرنے کا اتفاق

ہوا۔ اور راستہ کے بھول جانے کی وجہ سے دیر تک حیران رہا۔ اتفاقاً کوئی ترک آنکلا تو اُس نے راستہ بتا۔ مجھ پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ ہو لیا۔ اور جہاں مجھ کو جانا تھا وہاں تک پہنچا کر واپس آیا +

فیاضی اور مہمان نوازی ترکوں کی عام صفت ہے اور نہایت ادنےٰ درجے کے لوگ بھی نہایت سیر چشم اور فیاض ہیں۔ یہ عام طریقہ ہے کہ دو چار چشم آشنا کسی ہوٹل یا قہوہ خانے میں اتفاق سے مل گئے تو قہوہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ ہوگا۔ ایک شخص سب کی طرف سے دیدیگا۔ گویا تمام لوگ اس شخص کے مہمان ہوتے ہیں۔ اور وہ میزبان ہوتا ہے فیاضی و مہمان نوازی

خونگر صوی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے میں اکی سیر کو گیا تو خوجی آفندی ساتھ تھے۔ چونکہ یہ مقام قسطنطنیہ سے بیس پچیس میل ہے۔ اور میرے ساتھ اور بھی چند احباب تھے جہاز اور گاڑی کا کرایہ اور تفنگہ وغیرہ میں عسہ خرچ ہوئے۔ یہ کل تم خوجی آفندی نے ادا کی میرے شامی احباب کو جو خود مقتدر اور فیاض طبع تھے آفندی موصوف کا زیربار احسان ہونا گوارا نہ تھا۔ لیکن ملک کے رواج کی وجہ سے زیادہ اصرار نہ کرسکے +

ایک دفعہ میں درویش پاشا کے مکان پر گیا۔ وہاں چند اور بزرگ تشریف رکھتے تھے سے تعارف ہوا۔ اور دیر تک صحبت رہی۔ چونکہ اس وقت تک میں نے ترکی بوٹ کا استعمال نہیں شروع کیا تھا۔ اور انگریزی بوٹ پہنکر مکان کے اندر جانا یہاں معیوب ہے میں نے دروازے ہی پر بوٹ اُتار دیا تھا۔ ترکوں کے نزدیک بوٹ کا پاؤں میں نہ ہونا بدسلیقگی میں داخل ہے۔ اس لئے کسی کسی کو خیال ہوا۔ حاضرین میں سے ایک بزرگ جو اسکول کے ماسٹر اور معزز آدمی تھے چپکے سے اُٹھے اور ایک سلیپر لاکر میرے سامنے رکھدیا۔ ان بزرگ کا نام کاظم آفندی تھا۔ نوجوان آدمی ہیں ریاضی ہیں ان کی تصنیف حضور سلطانی میں پیش ہوچکی ہے۔ رخصت ہوتے وقت مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان پہنچکر یاد رکھئے گا۔ کہ قسطنطنیہ میں کاظم بھی آپ کا ایک نیازمند تھا +

حسین حبیب آفندی جو پولس کمشنر اور معزز رتبے کے آدمی ہیں ملاقات کے ساتھ اس لطف ومہربانی سے پیش آئے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اصرار کرکے کھانا کھلایا۔ کوٹھی اور پائیں باغ کی سیر کرائی۔ پردہ کراکر زنانہ مکان کے تمام کمرے دکھائے۔ رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ مجھ کو بھی کچہری جانا ہے ساتھ ہی چلیں گے۔ چنانچہ اپنی گاڑی پر بٹھا کر دور تک ساتھ لائے۔ لطف یہ کہ اس وقت میرا ذریعہ تعارف بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں۔ اس قسم کے واقعات سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ ترکوں کے اخلاق نہایت عام ہیں اور اسکے لئے وسیلہ وتعارف عزت وجاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہیں*

ترکوں کی معاشرت

ترکوں کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابل تقلید ہے۔ امرا اور معزز عہدہ دار ایک طرف معمولی حیثیت کا آدمی بھی جس صفائی اور خوش سلیقگی سے بسر کرتا ہے ہمارے ملک میں بڑے بڑے امیروں کو وہ بات نصیب نہیں۔ میں نے دس ہزار کے تنخواہ دار سے لیکر بیس روپیہ کی آمدنی والوں تک کے مکانات دیکھے ہیں۔ اگرچہ دونوں کی حالتوں میں نہایت تفاوت تھا اور ہونا چاہیے تھا تاہم خوش سلیقگی اور ترتیب وصفائی میں برابر تھے*

ڈرائنگ روم کا قدیم طریقہ یہ تھا اور متوسط حیثیت والوں میں اب بھی جاری ہے۔ کہ دیوار سے متصل قریباً دو ہاتھ چوڑے اور دیوار کے طول کے برابر لمبے چبوترے بنے ہوتے ہیں۔ اور ان پر گدا بچھا ہوتا ہے۔ اب اگرچہ میز وکرسی کا زیادہ رواج ہے تاہم چونکہ معزز ترکوں کے ہاں علما اور درویشوں کی اکثر آمد ورفت رہتی ہے ایک آدھ کمرہ اس طریقہ پر بھی ضرور مرتب ہوتا ہے۔ میں نے عثمان پاشا اور درویش پاشا کے عالیشان مکانوں میں بھی اس وضع کے متعدد کمرے دیکھے۔ زمانہ حال میں یورپین طریقہ زیادہ مروج ہے

مکانات کی وضع اور ترتیب

ترکوں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ درحقیقت قابل تعریف

اصلاحیں ہیں ڈرائنگ روم میں رجو اکثر عمدہ ٹرکش قالین سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس سرے سے اس سرے تک سڑک کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ بھر چوڑی پٹیاں بچھی ہوتی ہیں۔ کمرے میں جو لوگ آتے جاتے ہیں۔ اسی پر سے گذرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پاؤں نہیں رکھ سکتے۔ ترکوں کا بوٹ اگرچہ خاک لودہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس طریقے سے فرش اور بھی صاف و پاک رہتا ہے +

کھانے کا طریقہ

کھانا یورپین طریقے پر یعنی میز کرسی پر کھاتے ہیں۔ البتہ بعض باتوں میں فرق ہے اور میری دانست میں وہ اصلاح طلب ہیں۔ دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو نوکر آکر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے۔ اس کے بعد باری باری مختلف کھانوں کی رکابیاں آتی ہیں۔ اور میز کے بیچ میں رکھی جاتی ہیں۔ تمام لوگ ایک ہی رکابی میں کھاتے ہیں۔ چھری کانٹا بھی ہوتا ہے لیکن اکثر کھاتے ہاتھ سے ہیں۔ میں نے حسین حسیب آفندی پولس کمشنر اور درویش پاشا کے یہاں کھانا کھایا درویش پاشا کے بیٹے احمد پاشا جو سلطان المعظم کے سمدھی ہیں۔ میز پر ہمارے ساتھ تھے اور اسی طریقے سے کھاتے تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہوتا جاتا ہے اور حال کے تعلیم یافتہ بالکل یورپین طریقے پر کھاتے ہیں ٭

مکانات کے دروازوں کا ہمیشہ بند رہنا

ہندوستان کے برخلاف عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ اندر ایک کھٹکہ ہوتا ہے جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگ جاتا ہے باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی سے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازے کو کھٹ کھٹاتا ہے۔ آواز سن کر نوکر یا صاحب خانہ کواڑ کھول دیتا ہے۔ اُمرا کے یہاں دروازہ کے بیرونی رُخ پر پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے۔ اسکے دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے۔ اور نوکر کو خبر ہوجاتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت عام ہے یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کے دروازے بھی کھلے نہیں رہتے۔ اگرچہ در اصل سردی سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے

لیکن اس سے طرز معاشرت میں خودبخود نہایت تہذیب واصلاح پیدا ہوگئی ہے۔ ہر شخص لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا۔ کی تعمیل پر مجبور ہے +

لباس

ترکوں کا لباس جیسا کہیں اوپر لکھ آیا ہوں بالکل یورپین ہے۔ البتہ بوٹ میں ایک اختراع کی گئی ہے اور وہ واقع میں قابل تعریف ہے۔ یہ بوٹ چرمی جراب اور سلیپر کا مجموعہ ہے جراب بالکل بوٹ کی شکل کی ہوتی ہے لیکن ایڑی نہیں ہوتی سلیپر میں اندر ایڑی کے پاس ایک کھٹکا لگا ہوتا ہے۔ جراب پہنکر جب اُسکو پہنتے ہیں تو جراب اس میں اٹک جاتی ہے اور دونوں ملکر خاصہ بوٹ بن جاتا ہے۔ بازار میں دونوں پہنے پھرتے ہیں لیکن فرش پر سلیپر اُتار دیتے ہیں صرف جراب رہجاتی ہے اور چونکہ وہ گرد سے پاک ہوتی ہے۔ فرش پر دھبہ تک نہیں پڑتا +

طریقہ ملاقات

ملاقات کا طریقہ نہایت مہذب اور پسندیدہ ہے۔ تم کسی سے ملنے جاؤ اور دروازہ کھٹکھٹاؤ تو اسی وقت نوکر آکر دروازہ کھولدیگا۔ مکان میں اسی غرض سے ایک خاص کمرہ فرش فروش سے آراستہ۔ نوکر تم کو وہاں بٹھادیگا اور قہوہ یا چاے پیش کرے گا۔ اس کے بعد صاحب خانہ کو اطلاع ہوگی وہ ملاقات کے کمرے میں بیٹھے گا اور تم کو وہیں بلائیگا۔ بڑے بڑے معزز افسروں کی ملاقات کا یہی طریقہ ہے۔ انگریزوں کی طرح احاطے کے باہر برانڈے میں ٹہلنا اور دیر تک انتظار کرنا نہیں پڑتا +

سلام کرنے کا عجب طریقہ ہے۔ پہلے سینہ پر۔ پھر ہونٹوں پر۔ پھر پیشانی پر ہاتھ رکھتے ان اعضا کا ہاتھ سے چھو لینا ضرور نہیں صرف محاذات کافی ہے۔ اگرچہ اس طریقہ پر سلام کرنے میں ہاتھ کو تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن مشاقی کی وجہ سے تینوں مرحلے اس جلدی سے طے ہوتے ہیں کہ معمولی سلام سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ اس ایجاد میں یہ فائدہ ہے کہ قد کو جھکانا نہیں پڑتا۔ اور پیشانی کی تعظیم وادب بھی ہاتھ سے نہیں جاتا۔ مجلس میں سلام کرنے کا جو طریقہ ہے وہ زیادہ تکلف آمیز ہے یعنی بیٹھ جانے کے بعد حاضرین میں سے ہر شخص کی طرف

الگ الگ مخاطب ہو کر سلام کرنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا لکھنؤ میں دستور ہے معلوم نہیں ترک جیسے سپاہیوں کو یہ لکھنوانہ تکلف کس نے سکھایا +

فضول شان و شوکت کا نہ ہونا

ترکوں کی معاشرت میں مجھ کو جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان و شوکت کا نام نہیں۔ بڑے بڑے وزرا امرا بازار میں نکلتے ہیں تو معمولی حیثیت سے نکلتے ہیں۔ میں نے بارہا وزیر اعظم کی سواری دیکھی ہے۔ صرف دو تین سوار ساتھ ہوتے ہیں۔ سپہ سالار کل **علی رضا پاشا** کے ساتھ پانچ سوار سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مکانات اور تمام معاشرت کی چیزوں میں بھی سادگی پائی جاتی ہے۔ عثمان پاشا۔ درویش پاشا۔ زکی پاشا۔ جس حیثیت اور رتبہ کے لوگ ہیں اس لحاظ سے اُنکے مکانات کو کم از کم حیدرآباد کا **فلک نما** اور بشیر باغ ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ہمارے **مولوی مہدی علی** صاحب کی کوٹھی کے برابر بھی نہیں۔ نوکر چاکر بھی کثرت سے نہیں ہوتے۔ جیسا ہمارے ہاں کے نواب اور فرضی شاہزادوں کے ہاں دستور ہے حق یہ ہے کہ ترک اس بات پر جہاں تک فخر کریں بجا ہے کہ انہوں نے چھ سو برس تک سلطنت کے سایہ میں پلکر سپاہیانہ پن نہیں چھوڑا۔ ورنہ عباسی۔ فاطمی۔ اموی (اندلس والے) تیموری تو سو ہی دو سو برس میں۔ اچھے خاصے رنگیلے بن گئے تھے +

عورتوں کی تعلیم و تربیت

ترکوں کی تہذیب و ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت و طریقہ معاشرت ہے۔ دنیا کی دو بڑی قومیں یعنی یورپ اور ایشیا ٹک اس مسئلہ میں افراط اور تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں اور اسی وجہ سے دونوں کی حالت قابل اعتراض ہے۔ ترکوں نے ایسا معتدل طریقہ اختیار کیا ہے جو دونوں کی خوبیوں کا جامع اور دونوں کے عیوب سے خالی ہے۔ ٹرکش عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن بے شرمی۔ شوخی۔ بیجا آزادی رقاصی کی (اور وہ بھی غیر مردوں کے ساتھ) ان کو تعلیم نہیں ہوئی ہے وہ پردے کی پابند ہیں لیکن جاہل۔ دنیا سے بے خبر۔ مکان کے قفس میں بند۔ حیوان انسان نما نہیں ہیں +

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے سرکاری اور خانگی مدرسے کثرت سے ہیں اور پردہ وحفاظت کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شرفا کو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا - علمی مضامین کے ساتھ فرنچ زبان بھی درس میں داخل ہے اور بعض بعض مدرسوں میں موسیقی کی تعلیم بھی ہوتی ہے معلمات کی تعلیم کے لئے ایک خاص مدرسہ ہے جسکی مہتمم رفیقہ خانم ہے یہ اعلےٰ درجے کی تعلیم یافتہ خاتون ہے اور سلطان کے حضور سے اُسکو درجے دوم کا تمغہ عنایت ہوا ہے - صنعتی مدارس میں ایک مدرسہ نہایت اعلےٰ درجے کا ہے جو کالج کہا جاسکتا ہے اُسکا مہتمم عزیز آفندی ہے - اس مدرسہ کے ساتھ ایک بورڈنگ بھی ہے جسکی مہتمم ایک فرنچ لیڈی مادام نالی ہے بورڈنگ کا سکرٹری ایک تعلیم یافتہ ترک ہے - جسکا نام حسن آفندی ہے - صنعت کا ایک اور بڑا مدرسہ اسکیدار میں ہے جسکی معلمۂ اوّل خیریہ خانم ہے -

ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اس قدر عام ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بمشکل ایسی عورت مل سکتی ہے جس نے مناسب درجے تک تعلیم نہ پائی ہو - بہت سی عورتیں مضمون نگار ہیں - اور مشہور اخبارات میں اُنکے آرٹیکل نکلتے رہتے ہیں - جودت پاشاہ کی لڑکی فاطمہ خانم مشہور مصنف ہے حال میں اسکی ایک نہایت عمدہ ناول شائع ہوئی ہے - جسکا نام زنانِ اسلام ہے[1] عربی زبان میں اسکا ترجمہ بھی ہوگیا ہے اور بیروت میں چھاپا گیا ہے - اور بھی چند مصنف عورتیں ہیں - مصنف عورتیں

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے - ہر درجے اور ہر رتبے کی عورتیں بازار میں نکلتی ہیں - سیرگاہوں کو جاتی ہیں - دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں شریک ہوتی ہیں - لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ و احتیاط کے دائرہ سے سرمو تجاوز نہیں ہوتا ہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے الگ رہتی ہے اور کوئی عورت کسی غیر مرد سے بجز خاص حالتوں کے بات تک نہیں کرسکتی - عورتوںکو باہر نکلنے میں آزادی حاصل ہے

عورتوں کا لباس

لباس بالکل یورپین ہے لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو نہایت ڈھیلا ڈھالا ریشمی گون پہن لیتی ہیں - جو گردن سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے اور اُوپر سے نیچے تک بٹن لگے ہوتے ہیں اس سے بجز چہرے کے اور تمام جسم اسطرح ڈھک جاتا ہے کہ بدن کی ہیئت تک نہیں معلوم ہوتی - سر پر قصابہ ہوتا ہے اور چہرہ ایک رومال سے چھپاتی ہیں جو ناک کی جڑ سے ٹھوڑی تک ہوتا ہے - دونوں آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کسی قدر آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہے - یہ رومال باریک ململ کے ہوتے ہیں کوئی شخص پاس سے آنکھ جما کر دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہوسکتا ہے - لیکن ایسی بیہودہ جرأت کون کرسکتا ہے +

[1] اب یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو کر محمدن پریس علی گڈھ میں زیر طبع ہے ۱۲

ایک دفعہ میں عاشر آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہؤا تھا۔ ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے جن سے میری جان پہچان ہوگئی تھی۔ اتفاق سے وہیں اُنکی دو نوجوان لڑکیاں جنمیں سے ایک کی شادی ہو چکی تھی اُن سے ملنے کے لئے آئیں۔ اُنہوں نے مجکو دونوں سے ہینڈ شیک کرایا جس احترام۔ اور متانت و شرم سے وہ معصوم خاتونیں میرے سامنے کھڑی تھیں مجکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی دیبیاں ہیں

قسطنطنیہ میں ہندوستانی

ہندوستان میں کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ قسطنطنیہ میں ہندوستانی حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں خود مجکو یہ گمان نہ تھا۔

ہندوستانیوں کا اصلی مرکز تو ہندی زاویہ ہے جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ وہاں اکثر ہندوستانی آنکلتے ہیں۔ لیکن وہ عموماً گدا پیشہ ہوتے ہیں۔ ان کے سوا تین چار شخص ہیں جو مستقل طور پر سکونت رکھتے ہیں اور اُنکی حالت اور حیثیت بھی بُری نہیں اُنکے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں۔

نصرت علیخان نصرت علیخان۔ یہ بزرگ اپنے تئیں دلی کا کہتے ہیں۔ اُنہوں نے قسطنطنیہ میں ایک اخبار بھی نکالا تھا۔ لیکن چونکہ اسکے مضامین انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے انگلش سفیر نے بازپرس کی اور اخبار بند ہوگیا۔ اب محکمہ تعلیم میں نوکر ہیں۔ ڈیڑھ سو ماہوار تنخواہ ہے۔ ایک ترکی عورت سے شادی کر لی ہے۔ اس سے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ خود سیاہ فام ہیں۔ لیکن لڑکیاں گوری چٹی ہیں۔

مرزا محمد بیگ مرزا محمد بیگ۔ یہ بزرگ ملک اودھ کے رہنے والے ہیں۔ شاہی فوج میں معزز عہدہ پر مامور تھے۔ غدر سے پہلے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اب دس پندرہ برس سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ سلطان نے ڈیڑھ سو ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ خوش اخلاق

اور شریف الطبع آدمی ہیں +

حسن آفندی - بدرالدین طیب جی بیرسٹرایٹ لا ساکن بمبئی کے عموزاد بھائی ہیں - ہندوستانی اشیا کی تجارت کرتے ہیں - پہلے انکا کارخانہ بڑے فروغ پر تھا - چنانچہ اور مصارف کے علاوہ آٹھ سو ماہوار صرف دوکان کا کرایہ تھا - لیکن اب فیشن کے بدلجانے سے ان چیزوں کی قدر نہیں رہی اور کارخانہ سست ہوگیا - تاہم خوش حال سے بسر کرتے ہیں - مکان اور فرنیچر قسطنطنیہ کے لحاظ سے امیرانہ ہے - ایک باغ بھی تیار کرایا ہے - تمام لوگ اُنکی عزت کرتے ہیں - سلطان کے یہاں سے مڈل بھی ملا ہے انگریزی بخوبی جانتے ہیں - نہایت خوش اخلاق - فیاض - روشنضمیر - نیک طبع آدمی ہیں - ہندوستانیوں سے انکو عجب انس اور محبت ہے - اور یہ حب الوطنی ہی میری اور انکی تعارف کا ذریعہ ہوئی - ایک دفعہ میں بازار میں پھر رہا تھا - آفندی موصوف سامنے سے گزرے - مجھکو دیکھکر بے اختیار بڑھکر پوچھا "آپ ہندوستانی تو نہیں" - اس وقت میرا لباس عربی تھا - طرہ یہ کہ جواب میں اتفاقاً زبان سے بجائے ہاں کے نعم کا لفظ نکلا تاہم میرا ہندی ہونا کیونکر چھپ سکتا تھا وہ گلے سے لپٹ گئے اور بولے کہ "آپ تو ہماری چیز ہیں ہم سے بچکر کہاں چلے تھے" - میں جب تک وہاں رہا اکثر میرے مکان پر تشریف لاتے تھے کئی دفعہ دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے معلوم نہیں یہ مہمان نوازی انکی طینت کا خمیر ہے یا قسطنطنیہ کی آب و ہوا کا خاصہ ہے اُنکا پتہ یہ ہے قسطنطنیہ - مجوہر بدستاندہ - حاجی حسن علی آفندی ہندی -

میں نے پتہ اس غرض سے لکھا ہے کہ کوئی صاحب قسطنطنیہ کا قصد کریں تو انسے ضرور ملیں - ان سے بڑھکر کوئی غمخوار نہیں ملسکتا ہے -

قسطنطنیہ کے احباب

نہایت ناشکری ہوگی اگر میں قسطنطنیہ کی پر لطف داستان ختم کروں اور اُن محبت کیش دوستوں کا نام نہ لوں جو اس چند روزہ اقامت میں میرے یار غمگسار بن گئے تھے۔ اور جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہتے تھے چنانچہ شیخ عبدالفتاح اور شیخ علی ظبیان کے سوا جنکا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ باقی دوستوں کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں

فواد بک فواد بک۔ مکتب ملکیہ کے ایک ممتاز طالب علم ہیں دمشق کے قریب حصایہ ایک موضع ہے جہاں حضرت خالد بن الولید کی نسل سے ایک خاندان آباد ہے یہ لوگ دولتمند ہیں اور اسکے ساتھ ملکی اثر رکھتے ہیں چنانچہ ٹرکی حکومت کیطرف سے ابتک اُن اضلاع کا جو حاکم مقرر ہوتا تھا اسی خاندان سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ فواد سے میری ملاقات عزیزانہ تعلق کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ انکے ایک بھائی سامی بک انہیں دنوں قسطنطنیہ آئے اور میں نے جو مکان کرایہ پر لیا تھا۔ اسی کے ایک کمرے میں فردکش ہوئے وہ مکتب الحقوق میں داخل ہونے کی تیاری کرتے تھے اور چونکہ امتحان داخلہ میں منطق کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ مجھ سے درخواست کی کہ میں مختصر طور پر اُن کو منطق کے تمام مسائل پر عبور کرا دوں اگرچہ میرا حرج اوقات تھا تاہم انکی خاطر سے میں نے انکو اور اُنکے ساتھ دو تین اور طالب علموں کو ایسا غوجی پڑھائی حسن اتفاق یہ کہ امتحان داخلہ میں وہ لوگ پاس بھی ہوگئے اسطرح دوستی اور محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہوگیا۔ شام کو ہمیشہ ہم تین چار آدمی ایک قہوہ خانے میں جو عین لب دریا ہے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور عجب لطف و مزے کی صحبت رہتی تھی کبھی کبھی مغرب کے بعد کشتی کرایہ کرتے اور سمندر کی سیر کرتے پھرتے فواد کو گانا آتا ہے مزے میں آکر عربی گیت گایا کرتے ایک دن مجھ سے فرمائش کی کہ کوئی ہندی چیز سناؤ میں نے بہتیرا کہا کہ بھائی میں مولوی آدمی ہوں۔ مجھ کو گانے سے کیا واسطہ" لیکن وہ کب مانتے تھے آخر مجبور ہو کر میں نے اُردو کے دو تین شعر آواز کو گھٹا بڑھا کر پڑھے

اور کہا کہ ہندی میں یوں ہی گاتے ہیں۔

عبدالسلام آفندی

عبدالسلام آفندی۔ بیت المقدس میں سادات کا ایک مشہور خاندان ہے یہ اُسکے ایک معزز ممبر ہیں بیت المقدس کے مفتی جنکا ذکر آگے آئیگا اسی خاندان سے ہیں یہ پہلے جنٹ مجسٹریٹ تھے کسی وجہ سے معزول ہو گئے۔ اور اسی فکر میں یہاں آئے ہیں نہایت لائق فائق تعلیم یافتہ اور زندہ دل آدمی ہیں۔ ایک مدت تک میں اور یہ ایک ہی مکان میں رہے اور اسوجہ سے زیادہ میل جول ہو گیا۔ اکثر علمی بحثیں کیا کرتے تھے۔ فلسفۂ حال سے واقف اور اُسکے معترف ہیں۔ اُنکا خیال ہے کہ قرآن مجید کا کوئی مسئلہ فلسفۂ حال سے مخالف نہیں اکثر اسی امر کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ میں اُن کی مسافر نوازی اور اسلامی ہمدردی کا ازبس ممنون ہوں ایک مشکل موقع پر انہوں نے میرے ساتھ جو تعجب انگیز ہمدردی کی اُسکا ذکر مناسب موقع پر آئیگا۔

خواجہ آفندی

خواجہ آفندی معزز آدمی ہیں۔ درویش پاشا کی بھتیجی ان سے بیاہی ہے اور پاشائے موصوف انکو نہایت عزیز رکھتے ہیں۔ انہیں کے مکان میں یہ رہتے بھی ہیں۔ میں چند بار ان سے ملا۔ فارسی بے تکلف بول لیتے ہیں۔ نہایت خوش اخلاق اور منکسر المزاج آدمی ہیں۔ ہمیشہ چائے اپنے ہاتھ سے بنا کر پلاتے تھے۔ ایک بار میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے۔ خونگھوڑی کی سیر مجھکو انہیں نے کرائی تھی۔

ملا محمد آفندی

ملا محمد آفندی۔ موصل کے رہنے والے ہیں۔ عربی بقدر ضرورت پڑھی ہے۔ فارسی اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ انکی معاش کا کوئی ذریعہ نہیں مجبورانہ ایک تکیہ میں رہتے ہیں۔ اور فقر و فاقہ سے بسر کرتے ہیں۔ بایں ہمہ نہایت باحمیت اور غیر تمند ہیں۔ میں نے جب ترکی سیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک دوست نے انکا نام لیا اسوقت تک مجھکو ان سے بالکل تعارف نہ تھا اسلئے میں نے عہ ماہوار پر انکو مقرر کرنا چاہا۔ یہ رقم اُن کے لئے عطیہ غیبی تھی۔ لیکن جب اُن کو معلوم ہوا کہ میں صرف تحقیقات علمی کے لئے یہاں آیا ہوں۔ تو معاوضہ لینے سے انکار کیا۔ اور مفت پڑھاتے رہے۔ اکثر میری قیامگاہ پر آکر پڑھا جایا کرتے تھے

ٹوٹی پھوٹی ترکی جو میں نے سیکھی انہیں سے سیکھی۔ افسوس ہے کہ اب وہ بھی محفوظ نہیں رہی۔
ان دوستوں کے سوا اور بہت سے چشم آشنا احباب پیدا ہو گئے تھے جنکا ذکر چنداں ضروری نہیں۔

غازی عثمان پاشا کی ملاقات اور تمغہ مجیدی کا عطا ہونا

یہ وہی نامور جنرل ہے جس نے پلونا میں چوبیس ہزار روسی مجروح اور آٹھ ہزار تہ تیغ کئے تھے جسکے مقابلے میں شہنشاہ روس نے اپنی کل فوجی قوت صرف کر دی تھی۔ اور خود سپہ سالار بنکر گیا تھا جس نے باوجود فوج کی کمی اور رسد کی قلت کے روس کی مجموعی طاقت کا مدت تک مقابلہ کیا۔ اور میدان جنگ میں زخمی ہوکر گرفتار ہوا تو خود شہنشاہ روس نے اس کی کمر میں تلوار باندھی۔ اور مہینوں تک اپنا مہمان رکھا یہ واقعات اسی زمانہ میں اخبارات کے ذریعے سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے اور بچہ بچہ اس نامور بہادر کے نام سے واقف ہو گیا تھا قسطنطنیہ میں اگرچہ میں کسی فوجی افسر سے نہیں ملا اور نہ ملنا چاہا لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے نادرہ روزگار کے دیکھنے کا شوق دل میں نہ ہوتا۔

پاشائے موصوف اگرچہ اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ترکی میں کوئی شخص اُن سے بڑھکر بلکہ اُنکی برابر بھی نہیں۔ اور اس لحاظ سے مجکو اُن تک رسائی کی کم امید ہوسکتی تھی۔ تاہم شوق کی بیتابی نے نہ مانا اور میں ایک مترجم کو ساتھ لیکر اُن کے مکان پر گیا گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا۔ دربان نے اندر جانے کی اجازت دی قاعدہ کے موافق ملاقاتیوں کے کمرہ میں جاکر بیٹھا ایک معزز ترک وہاں تشریف رکھتے تھے۔ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور مزاج پرسی کے بعد قہوہ منگوایا۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی۔ پاشا نے جو مصروف نماز میں تھے۔ کہلا بھیجا کہ ذرا دیر میں آتا ہوں۔ قریباً دس منٹ کے بعد ایک ملازم آیا اور مجکو بالاخانہ پر لے گیا ایک خوبصورت کمرہ آراستہ تھا ہم وہاں بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پاشا موصوف تشریف لائے جن صاحب کو میں نے مترجمی کے لئے ساتھ لے لیا تھا۔ سررشتہ تعلیم ایک

افسر تھے انہوں نے حسب قاعدہ آگے بڑھ کر پاشائے موصوف کے دامن کا کنارہ چوما اور مؤدبانہ طور سے پیچھے ہٹے۔ میں نے طریقۂ سنت کے موافق سلام کیا۔ پاشائے موصوف نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مزاج پُرسی کے بعد نام اور مقام پوچھا مترجم نے کہا کہ "ہندوستان کے علما میں سے ہیں اور تحقیقات علمی کی غرض سے آئے ہیں" یہ سنکر نہایت مہربانی اور توجہ ظاہر کی اور دیر تک مسلمانوں کے حالات پوچھتے رہے رخصت ہوکر میں اُٹھا تو خود بھی اُٹھے اور کہا کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں۔ تو مجھ کو خوشی ہوگی۔

پاشائے موصوف پست قامت ہیں۔ دُہرا بدن ہے۔ رنگ گورا اور چمکتا ہُوا ہے چہرے سے ہیبت اور شجاعت ٹپکتی ہے۔ عمر ۶۰-۷۰ کے بیچ میں ہے لیکن بڑھاپے کا مطلق اثر نہیں ہے۔ فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں اور چونکہ ایک مدت تک یمن کے گورنر رہ چکے ہیں۔ عربی میں بے تکلف بات چیت کرسکتے ہیں۔ پلونا کے واقعہ کے بعد سلطان نے انکو کمانڈر انچیف اور صیغہ جنگ کا وزیر کردیا تھا لیکن چونکہ اس عہدہ کی وجہ سے وہ سلطان کی خدمت میں ہمیشہ حاضر نہیں رہ سکتے تھے۔ سلطان نے اس عہدہ پر فواد پاشا کو مقرر کردیا اور اُنکو مابین کی افسری دی جسکی وجہ سے وہ زیادہ تر سلطان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ سلطان کو پاشائے موصوف سے زیادہ کسی عزیز و قریب یا نوکر اور عہدہ دار پر اعتماد نہیں ہے اور اس وجہ سے اُنکو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے جمعہ و عید کو جب سلطان مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو ان کے ساتھ گاڑی میں عثمان پاشا کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

دوسری دفعہ میں ملاقات کو گیا تو پہلے سے کمرے میں آبیٹھے۔ میں اندر داخل ہُوا تو کرسی سے اُٹھکر دو ایک قدم بڑھے اور پہلے دن کیطرح ہاتھ ملایا۔ اسکے بعد میں جب ان سے ملا تو اسی طریقے سے ملے۔ پاشائے موصوف مجھ پر نہایت مہربان ہوگئے تھے جب میری روانگی کا زمانہ قریب آیا اور میں نے ان سے کہا کہ اب میں یہاں دو چار دن کا مہمان ہوں۔ تو فرمایا کہ ایک دو دن جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا۔ اسی اثنا میں انہوں نے سلطان سے

میرے لئے تمغہ مجیدی عطا ہونے کی درخواست کی اور منظور ہو گئی۔ لیکن مجھ کو اسکی کچھ اطلاع نہ تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ میرے ایک دوست دوڑے ہوئے آئے اور جگا کر کہا کہ یا شبلی واللہ لقد طلع لك النیشان مجھ کو ایک گونہ تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ یوں ہی کہتے ہو۔ آخر تمکو معلوم کیونکر ہوا؟ بولے کہ تمام اخبارات میں چھپ گیا ہے۔ میں اُسی وقت اُٹھا اور ایک قرات خانے میں جا کر اخبار دیکھے تو واقعی وہ خبر صحیح تھی۔ اُسی وقت مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میں انگریزی رعیت ہوں اس لحاظ سے انگلش سفیر کو اس کی اطلاع دینی ضرور ہے۔ دوسرے دن میں سفیر کے پاس گیا۔ اتفاق سے وہ مکان پر نہ تھے میں اپنا کارڈ چھوڑ آیا دوسرے دن تمام احباب مبارکباد کو آئے میں نے ایک مختصر جلسۂ دعوت ترتیب دیا شیخ علی ظبیان۔ عبد السلام آفندی۔ فواد سامی شریف۔ اور دیگر احباب شریک جلسہ تھے دعوت کی صبح کو عثمان پاشا کی وداعی ملاقات کو گیا۔ تمغہ کی خبر ایسی عام ہو گئی تھی کہ پاشائے موصوف کے مکان پر پہنچا تو سب سے پہلے دربان نے کہا "تمغہ مجیدی مبارک" مجھکو تعجب ہوا کہ اسکو کیونکر خبر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں امرا اور پاشاؤں کے نوکر چاکر عموماً پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور فرصت کے اوقات میں اخبارات پڑھا کرتے ہیں۔ پاشائے موصوف نے ملاقات کے ساتھ تمغہ کی مبارکباد دی **تمغہ** سامنے میز پر رکھا ہوا تھا۔ بکس سے نکالکر پہلے انہوں نے آنکھوں سے لگایا (سلطان کی ادنے سے ادنے چیز کی بھی ترک لوگ اس حد تک تعظیم کرتے ہیں) پھر مجھکو حوالے کیا۔ میں سروقد کھڑا ہو گیا اور سلطان کو دعا دی کچھ دیر کے بعد رخصت کے ارادے سے اُٹھا تو پاشائے موصوف نے فرمایا ذرا دیر اور تشریف رکھئے۔ یہ کہکر دوبارہ قہوہ منگوایا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اخیر میں

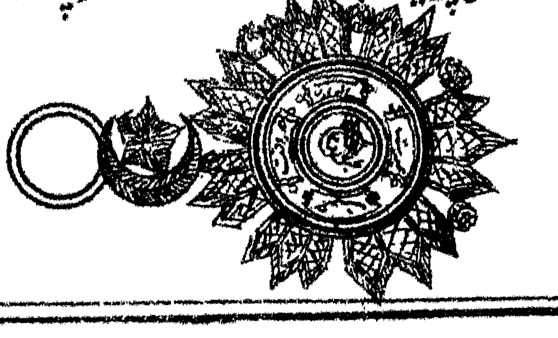

فرمایا کہ میں آپ کی تشریف آوری کا مشکور ہوں۔ چلتے چلتے کہا۔ کہ ہندوستان پہنچکر تمام مسلمانوں اور بالخصوص علما اور فضلا کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ عثمان آپ لوگوں سے دلی محبت رکھتا ہے۔ میں نے نہایت خلوص اور جوش کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔ پاشائے موصوف نے مجھکو اپنی عکسی تصویر عنایت کی۔ اور اُس پر دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اشبو فوطوغرافم شبلی النعمانی آفندی یہ ہدیۃ المشدد محرم الحرام ۱۳۱۰ہجری۔ یعنی میں نے اپنا یہ فوٹوغراف شبلی نعمانی کو ہدیہ دیا۔ یہ تصویر اس وقت میرے پاس موجود ہے اور میں اسکو ایک بڑا تبرک اور نشان فخر سمجھتا ہوں۔ جو میرے خاندان اور میری نسل میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ تمغہ کے ساتھ جو فرمان عطا ہوا۔ اس کی نقل ذیل میں ہے۔

عثمان پاشا کا فوٹو

نقل فرمان بخط فارسی

ہندوستان علی گڈھ نام محلندہ کائن دار المعلمین معلم اولی شبلی النعمانی آفندی نزشایان تلطفات سینہ شاہانہ م اولدیغنہ بناءً اشرف اقرای سنوح وصدور اولان امرو فرمان معالی عنوان بادشاہانہ م موجب عالیسی اوزرہ کندوسنہ مجیدی نشان ذیشانک دردنجی رتبہ سندن برقطعہ سی عنایت و احسان قلنمش اولدیغی متضمن اشبو برات عالیشانم تصدیر اولندی حرر فی الیوم الرابع عشر من شہر محرم الحرام سنہ عشر وثلث مائۃ

ترجمہ

شبلی النعمانی آفندی جو دار المعلمین علی گڈھ واقع ہندوستان کا معلم اول ہے چونکہ شاہانہ تلطفات کا مستحق خیال کیا گیا۔ اس لئے اسکو تمغہ مجیدی درجہ چہارم کے عطا ہونیکے لئے حکم والا صادر ہوا۔ اور اسکی سند کے یہ فرمان عالیشان صادر ہوا۔ تحریر ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۰ھ

یہ عجیب اتفاق کہ میں نے تمغہ کو قسطنطنیہ۔ بیروت۔ مصر کسی مقام میں کبھی استعمال نہیں کیا ہندوستان میں پہنچکر خیال ہوا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کرکے استعمال کروں چنانچہ جناب ہرلسین صاحب مجسٹریٹ علی گڈھ نے باضابطہ چٹھی کے ذریعے سے گورنمنٹ میں سفارش کی۔ وہاں سے جواب آیا کہ رزولیوشن مورخہ ۲ رمئی ۱۸۸۶ء عیسوی ملاحظہ طلب ہے اس رزولیوشن کا ماحصل یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کی کوئی رعیت کسی دوسری سلطنت کا کوئی نشان یا تمغہ استعمال یا قبول نہیں کرسکتی تاآنکہ پہلے جناب ملکہ معظمہ سے اجازت نہ حاصل کیجائے۔ اس حکم کی تعمیل کے موافق میں تمغہ کو استعمال نہیں کرتا۔

قسطنطنیہ سے روانگی ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

قسطنطنیہ میں میں پورے تین مہینے مقیم رہا۔ اخیر اخیر طبیعت اچاٹ ہوچلی تھی۔ یہاں تک

دیمشدر که کیره نه محکمه کاتبه ولارامن معلوم اوله شبی و قنعی دفتریکا تیاوان خلیفا سه سنه ... ...

بنا و نته ... قله سوم و در در اوددر ه امروز بان ساسعفا حال یاور ... ثم موجب حاصلی لا وزیره قنزو سه مجبر

... وحقینه ایتا و روجی برینه سنن رفطه سی عینه و ارحی ... فاعلی ... لا امر فقیر فی مصر ...

لکتبو برا بهر ... بنا لصر یوالنزی حرره ... اواسط شهر محرم الحرام سنه عشر و ثمانمائه

... محمد ...

کہ میں سلطان کے جشن تخت نشینی کا بھی انتظار نہ کر سکا۔ **قسطنطنیہ** میں ہر سال صفر کی آٹھویں رات جو سلطان کی تخت نشینی کی رات ہے۔ بڑی دھوم دھام سے جشن ہوتا ہے۔ تمام شہر میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ شہر کے تمام باشندے اپنے اپنے مکانوں میں بڑے تکلف اور اہتمام سے روشنی کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ طریقہ سلطان کے ساتھ خلوص اور محبت کی دلیل ہے۔ اُمرا اور پاشاؤں کے یہاں حد سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔ شیخ علی ظبیان نے مجھ سے کہا۔ کہ پچھلے سال درویش پاشا کے مکان میں چودہ ہزار مومی گلاس روشن کئے گئے تھے۔ سڑک پر جس قدر مکانات ہیں اُن کے دروازوں پر روشنی کے حرفوں میں یہ عبارت لکھی ہوتی ہے "پادشاہم چوق یشا" یعنی "ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے"۔ یہ طریقہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ فرنچ۔ جرمن۔ انگریز۔ اور اور یوروپ کی قومیں جو یہاں مقیم یا خوشباش ہیں۔ اُن کے دروازوں پر بھی یہ فقرہ روشنی کے حرفوں میں لکھا ہوتا ہے۔

مجکو نہایت افسوس ہے کہ میں یہ پر لطف اور پرجوش تماشا نہ دیکھ سکا۔ بر خاستگی طبیعت کے ساتھ کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ زیادہ ٹھیرنا ممکن نہ تھا۔ لوگوں نے یہ بھی کہا۔ کہ ترکی حکومت میں ہر جگہ یہ جشن ہوتا ہے۔ تم جہاں کہیں ہو گے یہ سیر دیکھ سکو گے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ **دار السلطنۃ** میں جو شان و شوکت اور اہتمام ہوتا ہے وہ دوسرے مقامات میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ طرہ یہ کہ مجکو بدقسمتی سے اس جشن کی معمولی سیر بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ اس تاریخ کو میں عالم آب میں تھا۔ یعنی جہاز پر سوار تھا۔ اور آبادی سے دور آچکا تھا۔

روانگی کیوقت احباب کی مشایعت

یاد ہو گا کہ میں جب قسطنطنیہ میں داخل ہوا تھا تو یکہ و تنہا تھا۔ لیکن واپسی کے وقت بڑی گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے ہیں اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ خط و کتابت اور دوستانہ مراسم جاری رکھنے کے وعدے لیتے ہیں۔

جہاز پر پہنچا تو **حسن ہندی** پہلے سے میرے انتظار میں وہاں موجود تھے۔ ان سے ملکر نہایت خوشی ہوئی۔ دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں۔ شام کے قریب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ شیخ علی ظبیان جو اسی جہاز پر اپنے وطن دمشق کو جا رہے تھے۔ میرے ہمسفر اور مونس و غمگسار تھے۔ جہاز۔ روڈس۔ سمرنا۔ سائپرس ہوتا ہوا بیروت پہنچا

جہاز پر ایک ناگوار واقعہ

ایک دن جہاز پر عجب برہمی اور بے لطفی ہوئی۔ سائپرس میں دو شہر ہیں۔ لرنکا اور لموسنہ دونوں جگہ جہاز لنگر کرتا ہے۔ لرنکا میں جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے انہیں سائپرس کا ایک رئیس تھا۔ اور چونکہ اسکو صرف لموسنہ تک جانا تھا۔ تیسرے درجے کی چھت پر ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے بستر کے قریب آبیٹھا۔ شیخ موصوف باوجود فضل و کمال کے تنگ مزاج آدمی ہیں رئیس

مذکور نے انکے بستر پر کوئی چیز رکھدی - اتنی بات پر یہ برہم ہوگئے - وہ غریب توچپ رہا لیکن اسکا نوکر جو صورت سے قوی اور تنومند معلوم ہوتا تھا ضبط نہ کرسکا - بات زیادہ بڑھی یہاں تک کہ جہاز کے اور مسافر جو اکثر شامی عرب تھے ادھر اُدھر سے آکر جمع ہوگئے - عربوں کا سہارا پاکر ہمارے دوست زیادہ تیز ہوئے نوکر نے کہا آپ غصہ کیوں کرتے ہیں ؟ ہم آپ کی کچھ رعایا نہیں ہیں - ہمارا شہر انگریزی حکومت سے تعلق رکھتا ہے -

ان الفاظ کا اسکے مُنہ سے نکلنا تھا کہ تمام **عرب** برہم ہوگئے - یہانتک کہ ایک **عرب** نے کمر پکڑ کر اُسکو اُٹھالیا اور کہا کہ "مردود! تجھ کو دریا میں پھینکدیتا ہوں" - اگرچہ ہجوم کی وجہ سے نہایت کشمکش تھی - اور بعض آدمی اُسکو روکتے بھی رہے تاہم وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جہاز کے کنارے تک پہنچ گیا اور اس زور سے دو تین جھٹکے دئے کہ قریب تھا - کہ وہ غریب سمندر میں جا پڑے - اُسوقت چند آدمیوں نے نوکر کو بزور اُسکے قبضے سے چھڑا کر اشارہ کیا کہ کمبخت جہاز کے کسی گوشے میں چھپ جا - پھر بھی تمام عرب - دیر تک غل کرتے اور انگریزی حکومت کی شان میں نامناسب الفاظ کہتے رہے - مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ جہاز کے **افسر** یہ ہنگامہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے - اور مطلق دخل نہیں دیتے تھے -

بیروت میں قیام کا سبب

ساتویں دن ہمارا جہاز بیروت پہنچا - شیخ علی ظبیان جہاز سے اُترے - میں بھی ان کے ساتھ اس ارادہ سے اُترا کہ جہاز کے روانہ ہونے تک واپس آجاؤنگا - شہر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شیخ **طاہر مغربی** اتفاقات سے آج کل یہیں ہیں - شیخ موصوف دمشق میں مدرس ہیں اور اُن کے فضل و کمال کی ان اطراف میں بڑی شہرت ہے - میں نے قسطنطنیہ میں ان کے اوصاف سنے تھے - شیخ علی ظبیان نے کہا "تمکو ان ممالک میں دوبارہ آنا نہیں ہے شیخ طاہر کی ملاقات کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے - غرض انکی صلاح سے میں جہاز سے اپنا اسباب اتروا لایا اور ایک ہفتہ تک بیروت میں مقیم رہا - چونکہ یہ شہر صوبۂ دمشق کا اسٹیشن اور اضلاع شام میں تہذیب و تمدن کا مرکز خیال کیا جاتا ہے - اس لئے میں اسکے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں -

بیروت

یہ نہایت قدیم شہر ہے - مورخین اسکے زمانۂ تعمیر کی ٹھیک تعین نہیں کرسکتے - لیکن اس قدر یقینی ہے - کہ حضرت عیسےٰ کی ولادت کے پیشتر موجود تھا سنہ ۲۲۲ عیسوی میں جب اسکندر سیفروس - رومتہ الکبریٰ کی مسند حکومت پر بیٹھا تو یہاں قانونی تعلیم کی بہت بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی - جو کئی سو برس تک بڑے اوج پر قائم رہی سنہ ۱۳ ہجری میں اسلام کے قبضے

میں آیا۔ لیکن زمانہ مابعد میں کئی بار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلکر عیسائیوں کے قبضے میں آیا۔ لیکن یہانتک کہ ۱۵۱۷ء عیسوی میں سلطان سلیم اول نے اُسکو فتح کیا اور اُس وقت سے آج تک ترکوں کے زیر حکومت ہے۔

بیروت کی موجودہ ترقی

اس موجودہ ترقی کی ابتدا ۱۸۴۰ء سے ہے اور اس وقت سے آج تک تجارت اور آبادی کو روز افزوں ترقی ہے۔ بیس برس پہلے اسکی مردم شماری چالیس ہزار تھی ۱۸۷۵ء میں ستر ہزار ہوگئی اور اب ایک لاکھ سات ہزار چار سو ہے جس میں ۳۰۰۰۰ مسلمان ہیں۔ باقی عیسائی اور کچھ یہود اور دُرزی ہیں۔ شہر کا قدیم حصہ نہایت خراب ہے۔ سڑکیں اور گلی کوچے تنگ اور ناہموار اور مکانات پست اور کم فضا ہیں۔ لیکن جدید حصہ نہایت پر رونق اور خوشنما ہے۔ ہوٹل۔ سرائین قہوہ خانے کثرت سے ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا میں ہے اور عجب فضا کی جگہ ہے۔

زبان یہاں کی عموماً **عربی** ہے۔ عیسائی اور یہود وغیرہ سب عربی بولتے ہیں۔ لباس اور وضع۔ عرب کے قریب قریب ہے۔ لیکن پاجامہ کابلیوں کے انداز کا ہوتا ہے۔ میانی سونڈ کی طرح زمین تک لٹکتی ہے اور یہ بڑا احسن سمجھا جاتا ہے۔ ایک پاجامہ دس بارہ گز سے کم میں نہیں تیار ہوتا۔ مسلمان۔ عیسائی۔ دُرزی۔ سب یہی لباس پہنتے ہیں۔ البتہ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون پہننے لگے ہیں۔ آب و ہوا کسی قدر مرطوب ہے تاہم مشہور یہ ہے کہ تندرستی کے لئے بہت مفید ہے۔ یہانتک کہ اور اور مقامات سے لوگ تبدیل ہوا کے لئے یہاں آتے ہیں شاید ایسا ہی ہو لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہے۔ میں جب تک وہاں رہا طبیعت بدمزہ رہی۔ دو تین دن بخار بھی آیا اور علاج کی ضرورت پڑی۔ البتہ **لبنان** جو ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہاں سے تین چار میل ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے مشہور جگہ ہے **متنبی** نے اسی کی نسبت کہا ہے۔

وعقاب لبنان وکیف بقطعہا   وھی الشتاء وصیفھن شتاء

بیروت

کی

علمی ترقی اور مدارس وغیرہ

بیروت کی علمی ترقی

بیروت میں علمی ترقی اگرچہ تھوڑے زمانے سے شروع ہوئی ہے۔ لیکن جس تیزی سے یہ شہر ترقی کر رہا ہے۔ اور ترقی کی جس حد تک آج پہنچ چکا ہے۔ اُسکے لحاظ سے تمام ممالک اسلامیہ میں قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر اسکا ہمسر نہیں ہے۔ اور بعض خصوصیتوں میں تو

اس کو قسطنطنیہ پر بھی ترجیح ہے۔

عیسائیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پر نہایت توجہ کی ہے۔ اور وہ ہر طرح ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت کوشش سے دور دور سے عرب کے قدیم دواوین بہم پہنچائے ہیں۔ اور اُن کو چھاپ کر شائع کیا ہے۔ خنساء عنتر بن شداد العبسی اسمعیل ابوالعتاہیہ۔ ابن ہانی۔ ابوفراس۔ وغیرہ کے دیوان انہیں لوگوں کی بدولت ہم تک پہنچے۔ ورنہ ان کا نام و نشان بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ عرب کے عیسائی شاعروں کے کلام کے ساتھ (اتحاد مذہب کی وجہ سے) اور بھی زیادہ اعتنا کیا ہے۔ ان تمام شعرا کے اشعار یکجا جمع کئے ہیں اور ان کا ایک سلسلہ چھاپنا شروع کیا ہے۔ تین چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اور باقی تیار ہو رہی ہیں۔ اس میں جاہلیہ اور اسلام دونوں زمانے کے شعرا داخل ہیں اخطل نصرانی جو زوق اور جریر کا معاصر اور دولت بنی امیّہ کا مشہور شاعر تھا۔ اسکا دیوان نہایت کوشش اور اہتمام سے مستقل طور پر چھاپا ہے۔ یہ دیوان نہایت نایاب اور عزیزالوجود تھا یہانتک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے کتب خانے بھی اس سے خالی تھے صرف شہنشاہ روس کے کتب خانے میں ایک نسخہ تھا۔ چنانچہ اسکی نقل و کتابت کا انتظام کیا گیا اور سینٹ پیٹرسبرگ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے اسکی تصحیح کی۔ یہ قلمی نسخہ جسکو پروفیسر مذکور نے خود اپنے ہاتھ سے صحیح کیا تھا۔ مجھ کو دکھلایا گیا۔ اور میں نے ان عیسائیوں کی بلند ہمتی اور ذوق علمی کا دل سے اعتراف کیا۔ مسلمانوں! تمکو بھی کچھ غیرت آتی ہے؟

عربی زبان کے ساتھ اعتنا

ان لوگوں نے خود بھی فن ادب کے متعلق مفید تالیفات کی ہیں۔ چنانچہ روضتہ الادب فی طبقات شعراء العرب۔ مجانی الادب۔ شرح مجانی الادب۔ مشہور اور شائع ہو سکی ہیں تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان عالموں نے ادب میں جو مفید کتابیں لکھی ہیں۔ وہ بھی انہیں عیسائیوں کی بدولت یعنی عیسائیوں نے انکو اجرت اور صلہ دیکر یہ کتابیں تصنیف کرائیں اور انکو اپنے اہتمام سے چھاپا اور شائع کیا۔ مقامات بدیع اور رسائل بدیعی کی شرحیں جو حال میں نہایت خوبی اور اہتمام سے چھپکر شائع ہوئیں اسی طریقے سے تیار ہوئی ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ ان لوگوں کو عربی زبان کے ساتھ اس قدر اعتنا کیوں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ اپنے تئیں عربی النسل کہتے ہیں اور اس انتساب پر انکو فخر ہے۔

لٹریچر کا مذاق اس قدر عام ہے کہ بچہ بچہ کو شعر و شاعری کا چسکا ہے۔ بہت سے لوگ صاحب دیوان ہیں۔ اور دس پانچ قصیدے لکھنے والے تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں ایک مشہور شاعر سے قہوہ خانے میں ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ۴۰ برس سے مشق

سخن میں مصروف ہیں۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ مذاق صحیح نہیں۔ غزل اور بیہودہ مدح سرائی کے سوا۔ اور اصناف سخن سے ناآشنا ہیں۔ مضامین اور طرز شاعری کے لحاظ سے متاخرین کے سوا کسی کا کلام پسند نہیں کرتے۔ میں اکثر صحبتوں میں جاہلیۃ اور ابتدا اسلام کے شعراء کے اشعار پڑھتا تھا تو مجھکو بدمذاق خیال کرتے تھے۔

علوم و فنون جدیدہ

علوم جدیدہ اور نئے مذاق کو بہت کچھ ترقی ہے۔ فلسفہ و صنائع و فنون جدیدہ کی اکثر کتابیں ترجمہ ہوگئی ہیں۔ بڑے بڑے کالجوں اور اسکولوں میں جو نصاب تعلیم ہے اور جو یہاں کے انٹرنس اور ایف اے و بی۔ اے کے برابر ہے عموماً عربی زبان میں ہے صرف ڈاکٹری کی تعلیم فرنچ زبان میں ہوتی ہے جسکی وجہ ان لوگوں نے مجھ سے یہ بیان کی کہ اس فن کے متعلق روز بروز تجربہ کو ایسی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کثرت سے نئی نئی کتابیں تصنیف ہوتی جاتی ہیں کہ ترجمہ انکا ساتھ نہیں دے سکتا۔ فلسفہ و علوم جدیدہ کا بڑا ماہر اور مصنف پروفیسر فانڈیک ہے۔ جو امریکا کا رہنے والا ہے۔ اور ایک مدت سے بیروت میں رہتا ہے۔ اس نے عربی زبان میں علوم جدیدہ کا ایک مرتب سلسلہ تیار کر دیا ہے۔ جسکا نام نقش فی الحجر ہے۔ اسکے سوا اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں **انسائیکلوپیڈیا** بالکل وجود نہ تھا۔ اس ضرورت کو پروفیسر بطرس نے پورا کیا۔ اس نے ۱۸۷۵ء عیسوی میں اسکی ابتدا کی اور اول کی چند جلدیں لکھیں لیکن چونکہ اُس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بیٹے سلیم آفندی نے تکمیل کا ارادہ کیا۔ اتفاق یہ کہ وہ بھی مرگیا۔ اب پروفیسر مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی باقی جلدیں تیار کر رہا ہے۔ دس ضخیم جلدیں اس وقت تک شائع ہوچکی ہیں۔

تاریخی تصنیفات

تاریخ اور متعلقات تاریخ پر نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ لوگ عربی زبان کے ساتھ یورپ کی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں انکی تصنیفات میں وہ جامعیت ہوتی ہے جو یورپ والوں کی تصنیفات میں نہیں ہوتی چنانچہ آثار الادہار جس جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ اس دعوے کی شاہد عادل ہے۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان عیسائیوں کی تصنیفات میں مذہبی تعصب کا رنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صناجۃ الطرب اور اصول المعارف وغیرہ میں اس قسم کی بے اعتدالیاں صاف محسوس ہوتی ہیں۔

یہ مصنفین اکثر **لبنان** کے رہنے والے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ بیروت میں آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کوہستان (لبنان) میں عجیب علمی مذاق پھیلا دیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ عموماً زمیندار یا کاشتکار ہیں۔ اور ضرورت کے وقت اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن جس وقت اُن کو ان ضرورتوں سے ذرا بھی فرصت ملجاتی ہے علمی اشغال

میں مصروف ہو جاتے ہیں - اسکا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ علم یہاں ذریعۂ دولت نہیں تاہم اس علاقہ میں کثرت سے اہل علم اور مصنفین پیدا ہوئے اور اب بھی موجود ہیں - خاص لبنان کے علما اور شعرا کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہ تمام علمی ترقی اور تصنیف تالیف جو کچھ ہے عیسائیوں کیساتھ مخصوص ہے مسلمان ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے -

مدارس یہاں کثرت سے ہیں جن میں سے مشہور مدارس کا نقشہ ذیل میں درج ہے

نام مدرسہ	مذہب	بورڈنگ اور تعلیم کی فیس سالانہ	تعداد طلبا	تاریخ افتتاح مدرسہ
المدرسۃ الانجیلیہ	امریکن انجیلیہ	۲۰ پونڈ	۹۷	۱۸۷۵ء
اسلامیہ	اسلام	۲۰ پونڈ	۱۵۰	۱۸۸۶ء
الکلیۃ البطریرکیہ	روم آرتھوڈکس	مفت	·	·
البطریرکیہ	رومن کیتھولک	۲۵ پونڈ	۱۳۶	۱۸۶۷ء
الحکمۃ	مارونیہ	·	۲۲۵	۱۸۷۶ء
راہبات	لاٹین	مفت	۱۱۵	·
الکلیۃ السوریۃ العلمیہ یعنی شام کی علمی یونیورسٹی	انجیلیہ	۱۷ پونڈ	اسکا مفصل حال آگے آئیگا	۱۸۶۵ء
الکلیۃ السوریۃ الطبیہ یعنی شام کی میڈیکل یونیورسٹی	انجیلیہ	۲۲ پونڈ	·	·
قدائس یوسف	لاٹن	۳۰ پونڈ	·	·
عورتوں کی تعلیم کے مدارس بھی کثرت سے ہیں جنمیں سے مشہور مدارس یہ ہیں				
باکورۃ الاحسان	روم آرتھوڈکس	۱۵ پونڈ	·	·
راہبات پروٹسٹنٹ	انجیلیہ	۳۰ پونڈ	۲۵۰	·

اسبانت پرانسٹنٹ	انجیلیہ	مفت	۵۰۰	۰
مدارس یات نیامی	لیٹن	مفت	۰	۰
مدارس یات مجیہ	″	۲۵ پونڈ	۰	۰
مدارس یات ناصریہ	″	۳۰ پونڈ	۱۱۵	۰
...امیر کانیہ	انجیلیہ	۱۲ پونڈ	۰	۰

مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو اور قوموں کی علمی ترقی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی

تعداد مدارس ابتدائی	تعداد مدارس اعلیٰ	[illegible]	[illegible]	تعداد طلباء اعلیٰ	تعداد طلباء ابتدائی	قوم
۲۱	۳	۵۰	۲۰	۲۰۰۰	۵۰۰	مسلمان
۶۶	۳۳	۳۳۷	۱۵۰	۹۷۳۰	۵۶۶۵	عیسائی یہود وغیرہ

مسلمان طالب علموں کی یہ تعداد گو فی نفسہ کم ہے لیکن یہ امر اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ اس تعداد میں بھی زیادہ تر ادنے درجے کے تعلیم والے شامل ہیں ورنہ اعلے تعلیم کے لحاظ سے انکی تعداد اسقدر کم ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں کسقدر افسوس کی بات ہے کہ یہ شہر اسلامی حکومت کا مرکز اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہاں حاکم و محکوم کی نسبت ہے تاہم تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے کچھ نسبت نہیں۔ تعلیم کی جو حالت ہے وہ نقشہ بالا سے معلوم ہوئی ہوگی۔ تصنیف و تالیف کا حال اوپر گذر چکا۔ اخبارات۔ مطابع۔ تجارت وغیرہ میں اس سے بھی زیادہ بدتر حالت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

الکلیۃ السوریۃ العلمیۃ

بیروت میں اگرچہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بہت سے اسکول و کالج ہیں لیکن یہ کالج یونیورسٹی

ہے اور اسی وجہ سے اسکا نام کلیہ سوریہ ہے کلیہ کا لفظ یہاں یونیورسٹی کے معنی میں اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور سوریہ ملک شام کو کہتے ہیں یعنی شام کی یونیورسٹی۔ میں نے اس کالج کو تفصیل کیساتھ دیکھا اور اس وجہ سے اسکے حالات کسیقدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔ یہ کالج ۱۸۶۶ء میں رومن کیتھولک پادریوں نے قائم کیا۔ پروفیسر اور ٹیچر زیادہ سات ہیں جنمیں سے اکثر کالج ہی کے احاطے میں سکونت رکھتے ہیں۔

میں جب اس کالج میں گیا تو شیخ علی ظبیان اور عبدالباسط آفندی ساتھ تھے کالج کے دروازے پر پہنچے تو عبدالباسط آفندی نے ہم کو وہیں ٹھہرا دیا اور خود اندر گئے تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ انکے ساتھ ایک اور معزز شخص تھا۔ اس نے ہمارا استقبال کیا اور ہمکو ساتھ لیکر چلا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے نیچے کے درجے میں چھاپہ خانہ ہے اور یہ وہی چھاپہ خانہ ہے جس نے عمدگی طبع کی وجہ سے بیروت کو تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے جس شخص نے ہمارا استقبال کیا اسکا نام الیاس ہے اور چھاپہ خانہ کا تمام اہتمام اسی سے متعلق ہے۔ الیاس نے پہلے ہمکو مطبع کی سیر کرائی۔ تمام کام کل کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ رولر کاغذ کو خود کھینچ لیتا ہے حرف پر سیاہی لگجاتی ہے کاغذ خود بخود چھپتا ہے اور زمین پر گرتا جاتا ہے حرف بھی یہیں ڈھالے جاتے ہیں چنانچہ الیاس نے ہمارے سامنے چند حرف ڈھالے یہاں کے کارخانے کے حرفوں کی ایسی شہرت ہو گئی ہے کہ دور دور سے مانگ آتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ جو صفائی اور خوشخطی یہاں کی مطبوعہ کتابوں میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی میں نے الیاس سے اسکی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ یہاں حروف کی خوبی کے علاوہ ایک یہ بات اہتمام کیا جاتا ہے کہ [illegible] چھاپنے کے بعد فی الفور ایک آلہ سے اس پر [illegible] دیا جاتا ہے کہ حرفوں کا ابھار [illegible] ہو جاتا ہے۔ اور کاغذ چکنا و صاف ہو جاتا ہے چنانچہ اسنے ہمکو دونوں طرح کے نمونے دکھائے [illegible]
[illegible]

اس تعریف کا مستحق ابوالضیا [illegible] ترک ہے جس نے یہ جریدہ ایجاد کیا ہے [illegible] ہم نے اُس کو زیادہ جلد دی ہے

جلد سازی

مطبع ہی میں جلد سازی کا بھی کارخانہ ہے نہایت عمدہ مطلا و مذہب جلدیں تیار ہوتی ہیں یہاں تک کہ شام و مصر سے فرمائشیں آتی ہیں۔ میں نے یہاں ہاتھی دانت کے پٹھے دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

کالج

چھاپہ خانے سے فارغ ہو کر ہم نے کالج کو دیکھنا چاہا چونکہ اس کام کے لئے کالج کے کسی پروفیسر کا رہنما ہونا ضرور تھا الیاس نے پہلے پروفیسر انطون سے ہماری ملاقات کرائی یہاں ایک نہایت معقول طریقہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے [illegible] اس کی تقلید کی جائے۔ کالج کے ملازم اور پروفیسر وغیرہ جو کالج میں [illegible] کمروں کے دروازے پر ایک چھوٹی سی تختی لٹکتی رہتی ہے [illegible] سطروں میں [illegible] کاموں کی تفصیل لکھی ہوتی ہے [illegible] کہ صاحب خانہ اس وقت کہاں ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ مثلاً پہلی سطر میں [illegible] پھر روم دوسری میں کھانے کا کمرہ تیسری میں سیر و تفریح۔ وعلی ہذا۔ تختی کی پیشانی پر ایک سوئی لٹکتی رہتی ہے۔ صاحب خانہ جس وقت جس کام میں مصروف ہوتا ہے سوئی کو اس سطر کے سامنے تختے پر لٹکا دیتا ہے جس میں کام اور کام کے موقع کا ذکر ہے جو شخص ملاقات کو آتا ہے اول اُس کی نگاہ تختی پر پڑتی ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب خانہ اس وقت کہاں ہے اور کس کام میں ہے؟ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ طریقہ کالجوں کیساتھ مخصوص ہے یا ہر طبقہ میں رائج ہے۔ بہرحال یہ عمدہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اس کی تقلید کی جائے۔

پروفیسر انطون

غرض الیاس نے ہم کو پروفیسر انطون سے ملایا۔ پروفیسر مذکور نہایت قابل اور لائق شخص ہے فرنچ زبان خوب جانتا ہے عربی علم ادب کا استاد ہے۔ دیوان اخطل جو حال میں چھپا ہے اسی کی تصحیح اور اہتمام سے چھپا ہے۔ دیوان مذکور پر اُس نے جو حاشیے

چڑھاتے ہیں وہ مستقل شرح کی برابر ہے۔ اور اس سے اسکی وسعت کا اندازہ ہوتا
کالج کا ہفتہ وار اخبار جو عربی زبان میں نکلتا ہے اور جسکا نام البشیر ہے اسی کی اڈیٹری
میں نکلتا ہے ہم نے اسکی وجہ سے کالج کی ایک ایک عمارت اور آلات وغیرہ کی سیر کی۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ کالج یہاں کے عیسائیوں کے لئے باعث فخر اور تمام مسلمانوں کیلئے موجب
رشک ہے مصر و شام کا تو کیا ذکر ہے قسطنطنیہ کا بھی کوئی کالج اسکی ہمسری کا دعوے نہیں
کر سکتا عمارت اس قدر شاندار موزوں۔ اور خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اوپر کی
منزل کا فرش بالکل سنگ مرمر کا ہے اور سنگ سیاہ کی پچی کاری ہے۔ کمرے نہایت کثرت سے
ہیں پروفیسر اور ٹیچر جو ۷۰ سے زیادہ ہیں اور شب و روز کالج ہی میں رہتے ہیں سب کے لئے الگ
الگ کمرے ہیں۔ ایک عالیشان کمرہ جو نہایت عمدہ فرنیچر اور ساز و سامان سے آراستہ
ہے اور جسکے بیچ میں مستطیل میز اور گرد بہت سی خوبصورت کرسیاں بچھی ہیں۔ پروفیسروں
اور استادوں کے لئے مخصوص ہے۔ فرصت کے اوقات میں وہ لوگ یہاں آ بیٹھتے ہیں
اور دوستانہ صحبت رہتی ہے۔ اس میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جسکا جی چاہتا ہے
کوئی کتاب اٹھا لیتا ہے اور اس سے دل بہلاتا ہے۔ مجھکو اس وقت خیال آیا کہ ہمارے کالج
میں یہ بڑی کمی ہے کہ اس قسم کی کوئی عمارت نہیں جہاں تمام اساتذہ گھڑی دو گھڑی مل
بیٹھا کریں حالانکہ اس قسم کی صحبت دل بہلانے کے سوا قومی مذاق کے لئے نہایت مفید ہے
کالج میں سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم نہایت اعلے درجے پر ہوتی ہے۔ اور اس
غرض سے نہایت بیش قیمت آلات اور نایاب چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ بہت سی الماریاں
ہیں جن میں عجیب عجیب مختلف رنگ اور صورت کے پتھر اور حجر سے مٹی کے ٹکڑے ہیں۔ یہ
نادر چیزیں طبقات الارض کی تعلیم کے لئے دور دور مقامات سے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات کا الگ
کمرہ ہے اور بہت وسیع ہے۔ پروفیسر افلاطون نے مجھ سے کہا کہ ان نباتات کی حفظ و پرداخت
میں نہایت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پروفیسر مذکور نے ایک قسم کی گھانس دکھائی اور کہا۔ کہ یہ

عمارت کی خوبی

مدرسین کی تعداد

ہندوستان کے سوا اور کہیں نہیں پیدا ہوتی اور یہیں سے منگوائی گئی ہے۔

کالج کا کتب خانہ۔

کالج کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے اور اسی قدر عمدہ ہے جیسے قسطنطنیہ کے بڑے بڑے کالجوں کے ہوا کرتے ہیں۔ کالج کی لائبریری اگرچہ بہت بڑی نہیں ہے۔ لیکن کتابیں نادر اور کمیاب جمع کی گئی ہیں۔

جو کتابیں چھپی نہیں اور انکے قدیم نسخے نہیں مل سکے۔ یوروپ اور ایشیا کے مشہور کتبخانوں سے انکی نقل و استنساخ کا انتظام کیا ہے۔ ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ جو اپنے باب میں بے مثل اور نادر کتاب ہے میں نے اسی کتب خانہ میں دیکھی۔ اس کالج میں عربی زبان اور فرنچ کی تعلیم لازمی ہے۔ باقی زبانیں اختیاری ہیں چنانچہ ترکی کی ایک جرمن کی ایک انگریزی کی پانچ لاٹین دیونانی کی سات کلاسیں ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بانیان مدرسہ عموماً عیسائی ہیں اور عیسائی بھی رومن کیتھولک جن میں مذہبی نسبت اور فرقوں کے تعصب زیادہ ہوتا ہے تاہم ادب کے نصاب میں قرآن مجید کا انتخاب بھی شامل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہونا انکو بھی مسلم ہے علوم جو پڑھائے جاتے ہیں انہیں فلسفہ حال و علوم طبعیہ کے علاوہ موسیقی و تصویر کشی کا فن بھی داخل ہے طلبا کی تعداد ۵۰۰ اور ۶۰۰ کے بیچ میں ہے جنمیں مسلمان صرف ۱۰ یا ۱۱ ہیں

مسلمانوں کی تعداد

کالج کی عمارت باوجود اسکے کہ بیروت میں تمام چیزیں نہایت ارزاں ہیں۔ دس لاکھ فرنک میں تیار ہوئی ہے اور یہ کل رقم پادریوں کی ایک جماعت نے ادا اور مہیا کی ہے۔

طبی کالج

اس کالج کے ساتھ میڈیکل (طبی) کالج بھی ہے لیکن اسکی عمارت کسیقدر فاصلہ پر ہے پروفیسر لطون نے ہمکو اسکی بھی سیر کرائی۔ عمارت نہایت وسیع اور بلند اور آلات نہایت بیش قیمت اور کثرت سے ہیں۔ تشریح کے کمرے میں جو بہت لمبا اور وسیع ہے انسان کے ایک ایک عضو کی تصویر موم کی بنی ہوئی ہے اور اس خوبی و صفائی سے بنائی ہے کہ نقلی ہونیکا گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک ایک عضو کے متعلق جسقدر امراض ہیں اسی تعداد کے موافق

ہر عضو کے متعدد نمونے ہیں چنانچہ ایک خانہ میں کم و بیش ۳۰۰ آنکھیں ہیں کسی میں پتلی ہے کسی میں اشک ہے کسی کی پلکیں جھڑ گئی ہیں۔ میں نے ہندوستان کا کوئی میڈیکل کالج نہیں دیکھا ہے۔ لیکن مجھ کو کافی یقین ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک کالج بھی اس سے بڑھکر بلکہ اس کی برابر بھی نہ ہوگا۔

پروفیسر انطون نے ہمارے لئے جو تکلیف اُٹھائی اور جس توجہ اور اخلاق سے تمام کمروں اور چیزوں کی مجھکو سیر کراتا رہا۔ یہ نہایت ناشکری ہے کہ میں اس موقع پر اسکا دلی شکریہ نہ ادا کروں معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر مذکور مجھ سے ملکر خوش ہوا چنانچہ اُس ہفتہ میں البشیر کا جو پرچہ نکلا اس میں ایک اڈیٹوریل نوٹس میرے متعلق تھا جسکی عبارت یہ ہے

جمعیات اور اخبارات

ہماری زبان میں انجمن کا لفظ جس معنی میں بولا جاتا ہے۔ اُسکے مقابل میں یہاں جمعیۃ کا لفظ ہے مصر وغیرہ میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے۔ انجمنیں یہاں بکثرت ہیں اور اُنکے مقاصد نہایت مفید ہیں۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی نہیں بعض مشہور انجمنوں کا نقشہ ذیل میں درج ہے جس سے اُنکے مقاصد بھی معلوم ہونگے۔

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
مجلس ملی	روم آرتھوڈکس	رفاہ عام	مطران غبریل
تعلیم مسیحی	ایضاً	مذہبی	ایضاً

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
قدیس پولس پیغمبر رسول	روم آرتھوڈکس	مذہبی	مطران نفرئیل
خیریہ	ایضاً	اعانت فقراء	خواجہ سلیم
مرتقی	ایضاً	غریبوں کا معالجہ	خواجہ نجیب
زقون الموتی	ایضاً	لاوارث غریب اشخاص کی تجہیز و تکفین	خوری یعقوب
زہرۃ الاحسان	ایضاً	فن ادب	سیدہ طریقہ
خیریہ	مارونیہ	اعانت فقراء	خواجہ حنانیہ
دائرہ علمیہ	ایضاً	ترقی علوم	مطران یوسف
اخویہ مارمارون	ایضاً	فن ادب	سلیم [illegible]
یوحنا مارون	ایضاً	رفاہ عام	خواجہ خلیل
خیریہ	روم کیتھولک	اعانت فقراء	یشاعہ خوری
دیر القمر	"	"	خواجہ نخلہ
شمس البر	مسیحی	ادب	سلیم آفندی کساب
باکورۃ السوریہ (یعنی شام کی صبح)	*	ادب	سیدہ حنہ عقیق
انجیلیہ	انجیلیہ	رفاہ عام	خلیل آفندی سرکس

اس فہرست سے ظاہر ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جسقدر شاخیں ہیں سب کی الگ الگ انجمنیں ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس فضول کام کو سرے سے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

اخبارات و رسالے جو یہاں سے نکلتے ہیں انہیں البشیر۔ بیروت۔ تقدم ثمرات الفنون۔ الصبح المنیر۔ الصفا۔ لسان الحال۔ المصباح

المدیۃ ـ النشرۃ الاسبوعیہ ـ حدیقۃ الاخبار ـ زیادہ مشہور ہیں ۔ ان میں بیروت ـ اور ثمرات الفنون کے سواے اور تمام اخباروں کے مالک اور اڈیٹر عیسائی ہیں ۔ چونکہ مطبع کو یہاں آزادی نہیں اس لیئے ان اخبارات میں معمولی خبروں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ۔ البتہ علمی رسالے بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں ۔ اور خصوصاً الصفا اور المقتطف تو اس شان کے پرچے تھے ۔ کہ یورپ کے میگزینوں کی برابری کرتے تھے ۔ افسوس ہے کہ الصفا بند ہوگیا اور المقتطف نے اپنا مقام بدلدیا یعنی اب قاہرہ سے نکلتا ہے ۔

رصدخانہ

یہاں ایک مختصر سا رصدخانہ بھی ہے ۔ جسکو پروفیسر فان ڈیک امریکانی نے سنہ ۱۸۷۴ء میں قائم کیا تھا ۔ اسمیں رصد کے متعلق اکثر ضروری آلات موجود ہیں ۔ ہر روز جو امور رصد سے معلوم ہوتے ہیں اسکی اطلاع بذریعہ تار کے قسطنطنیہ بھیجی جاتی ہے اور وہاں سے یورپ وغیرہ میں شائع ہوتی ہے ۔ اسکا اہتمام اب مسٹر رابرٹ کے ہاتھ میں ہے جو مدرسہ امریکانیہ میں ریاضیات کا پروفیسر ہے ۔

عام حالات اور بیروت کے احباب

میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ بیروت میں تمام کرنے کا اصلی سبب شیخ طاہر مغربی سے ملنا تھا ۔ چنانچہ عبدالباسط الانسی کے ذریعہ سے ان سے ملاقات ہوئی اور دیر تک علمی صحبت رہی ۔ دو تین دفعہ اور ملاقاتیں ہوئیں ایک بار فرودگاہ پر بھی تشریف لائے ۔ شیخ موصوف ابھی جوان ہیں ۔ لیکن علم و فضل کی وجہ سے لوگ انکی بہت عزت کرتے ہیں ۔ میں نے انکے کمال کا جس چیز کو جوہر سمجھا اور جسکا مجھکو خود تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ شیخ موصوف اور علما کی طرح محدود خیال کے آدمی نہیں ہیں ۔ نئے خیالات سے آشنا ہیں کسی قدر فرنچ بھی جانتے ہیں ۔ فرانس کی سیر کی ہے ۔ قومی ہمدردی کا مادہ ہے اور مسلمانوں کے

تنزل سے بیخبر نہیں ہیں۔ اگر یہ مذاق ان ممالک کے عام علما میں پیدا ہو جائے تو ترقی کی واقعی امید ہو سکتی ہے۔ شیخ موصوف دمشق کے مدرسے میں مدرس ہیں وہ صاحب تصانیف بھی ہیں اور ریاضی کے فن میں انکی بعض تصنیفات چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

بیروت کے اور علما اور اہل کمال سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ میں معمولاً عبدالباسط لانسی کی دکان پر بیٹھا کرتا تھا وہاں اکثر اہل علم اور ارباب مناصب آ نکلتے تھے اور ان سے ملاقات و تعارف ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہر میں زیادہ چرچا ہوا تو بعض بعض حضرات میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے۔ ان میں سے شیخ عمر جیلی اور ایک اور صاحب جنکا نام اب یاد نہیں رہا بہرحال پر نہایت عنایت فرماتے تھے شیخ عمر جیلی مشہور رسالہ الصفا کے مالک اور مہتمم ہیں اور نہایت فیاض اور خوش اخلاق ہیں۔ دوسرے صاحب جو طالب علم ہیں منطق کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے۔ میں نے تنگی وقت کا عذر کیا۔ تاہم وہ اکثر تشریف لاتے تھے اور فن ادب کے تذکرے رہتے تھے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ متنبی کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے میں نے کہا کہ "له حسنات وسيئات" بولے کہ "و لحسناته يذهبن السيئات" مجکو انکا پر لطف جواب نہایت پسند آیا۔

ایک دن عبدالباسط الانسی نے میری دعوت کی اور بیروت کے اکثر مشہور علما کو مدعو کیا۔ شیخ عبدالقادر جزایری جو الجزائر کا بادشاہ تھا اور ایک مدت تک فرانس کے ساتھ معرکہ آرا رہا۔ اس کے بھتیجے شیخ عبدالرحمن الجزائری مدت سے یہاں رہتے ہیں اور سلطان کے ہاں سے وظیفہ پاتے ہیں وہ بھی تشریف رکھتے تھے نہایت معمر اور صاحب علم ہیں۔ عبدالباسط الانسی کے مکان میں چھوٹا سا خوشنما پائیں باغ ہے۔ سب لوگ وہاں بیٹھے۔ بنچ اور کرسیوں کی نشست تھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد سب لوگ کھانے کے کمرے میں گئے کھانا انگریزی طریقے پر تھا یعنی میز اور کرسیاں تھیں۔ اور ایک کھانا ہو چکتا تھا تو دوسرا لایا جاتا تھا ایک ڈش کے بعد دوسری ڈش آتی تھی۔ میں نے شیخ طاہر مغربی سے کہا کہ ہندوستان میں ایسا اتفاق ہوتا تو من تشبہ بقوم کا فتوی لگایا جاتا۔ بولے کہ اُن ممالک میں یہی مناسب ہے کیونکہ وہاں اسلامی حکومت نہیں رہی۔ اسلئے رسم و رواج اور مذہبی تعصبات کا (گو وہ صحیح نہ ہوں) قائم رکھنا ضرور ہے تاکہ مذہب کا عام اثر کم نہ ہونے پائے لیکن اسلامی ممالک میں ان فضول باتوں کی کچھ ضرورت نہیں"۔ یہ صحبت دیر تک رہی اور بڑے لطف سے گزری۔ کھانے بھی نہایت لذیذ اور خوشگوار تھے۔

چونکہ یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے میری طبیعت برابر بدمزہ رہی۔ ایک دن بخار بھی آگیا۔ عبدالباسط آفندی کے چچیرے بھائی عبدالرحمن الانسی یہاں کے مشہور ڈاکٹروں میں ہیں اور مصر کے مڈیکل کالج میں اعلے درجے کی تعلیم پائی ہے علاج کی غرض سے میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے نہایت مہربانی کی اور کہا کہ "آپ جب قیامگاہ پر تشریف لیجائینگے تو دوا وہیں پہنچ جائیگی" چنانچہ دو گھنٹے کے بعد ایک آدمی دوا کی شیشی لیکر آیا اور کہا کہ اگر اس کے آرام نہ ہو تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجئے گا۔ دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ خوش مزہ بھی تھی۔ بخار اُسی دن جاتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یورپ کے طریقے پر تعلیم پائی ہے لیکن ایشیائی بلکہ اسلامی مہمان پرستی کا اثر اسقدر باقی ہے کہ فیس درکنار دوا کی بھی قیمت لینی گوارا نہ کی۔

اس بخار نے بڑا حرج یہ کیا کہ طرابلس کی سیر مفت میں جاتی رہی۔ ان دنوں طرابلس کے بعض علما اتفاق سے وہاں آگئے تھے۔ ایک صحبت میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان لوگوں نے نہایت اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ طرابلس چلو۔ طرابلس مشہور اسلامی شہر ہے۔ اور بعض اسلامی خصوصیتوں کے لحاظ سے بڑا آباد کا مقام خیال

کیا جاتا ہے۔ بیروت سے صرف دو دن کی راہ ہے۔ کافی وقت تھا کہ میں وہاں جاکر جہاز کی روانگی تک واپس آجاتا میں نے ہر طرح تیاری بھی کر لی تھی لیکن عین وقت پر بخار آگیا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس سے زیادہ بدقسمتی یہ کہ احباب نے بھی ساتھ چھوڑا۔ شیخ علی ظبیان جو کئی مہینے تک انیس و ہمدم رہے تھے صرف میری وجہ سے بیروت میں مقیم تھے۔ دمشق سے ان کے والد ماجد کا خط آیا اور ان کو مجبوراً جانا پڑا رات کے آٹھ بجے روانگی کا وقت تھا۔ رخصت کے وقت گلے مل کر میرے شانوں کو بوسہ دیتے تھے (عرب کا عام دستور ہے) اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیة من عرار

یعنی اب نجد کے عرار (ایک پھول کا نام ہے) کی خوشبو سے لطف اٹھانا ہو تو اٹھا لو ورنہ آج کی رات کے بعد پھر عرار نصیب نہیں ہوگا۔

بیروت میں میں نے جس چیز کو نہایت ناپسند کیا وہ ایک مکان ہے جس کو مغنی کہتے ہیں یہ نہایت ناتہذیب اور مخرب اخلاق چیز ہے اور معلوم نہیں کہ اسلامی حکومت نے اس کو کیونکر جائز رکھا ہے۔ عین سڑک پر ایک عالیشان دو منزلہ مکان ہے اوپر کی منزل میں ایک وسیع کمرہ ہے جس میں ترتیب کے ساتھ بہت سی کرسیاں بچھی ہیں صدر کی جانب ایک بلند مستطیل چبوترہ ہے۔ بہت سی یورپین لیڈیاں اس پر بیٹھ کر گاتی بجاتی ہیں ایک دور ختم ہو جاتا ہے تو لیڈیاں چبوترے سے اتر کر کمرے میں ٹہلتی ہیں۔ اور معشوقانہ انداز کے ساتھ تماشائیوں کے پاس سے گزرتی ہیں جس کو منظور ہوتا ہے اشارے سے ان کو بلاتا ہے اور وہ بڑے ناز و انداز سے اس کے پہلو میں آکر بیٹھ جاتی ہیں نہایت بےحیائی اور بےشرمی کے ساتھ اختلاط شروع ہوتا ہے شراب کا دور چلتا ہے۔ ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر ٹہلتے ہیں معانقے بوسے ہوتے ہیں غرض بےحیائی کا کوئی

دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا -

بیروت سے روانگی

بیروت میں میری طبیعت یوں ہی بدمزہ تھی شیخ علی ظبیان - اور شیخ طاہر مغربی کے چلے جانے کے بعد اور بھی وحشت ہوئی لیکن جہاز کے انتظار میں چار و ناچار دو تین روز اور ٹھیرنا پڑا - ۸ صفر ۱۳۱۰ھ ہجری شام کے وقت بیروت سے روانہ ہوا - شیخ عبدالباسط اور شیخ عمر جیلی بندرگاہ تک ساتھ آئے اور انہیں کے ذریعے سے اسباب وغیرہ کے انتظام میں نہایت آسانی ہوئی - دوسرے دن جہاز **یافہ** پہنچا - جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھ ملاحوں اور قلیوں کا حملہ ہوا اور اس قدر شور و غل اور ابتری پیدا ہوگئی کہ ہر شخص خواس باختہ ہو رہا میرا اسباب ہر چند نہایت مختصر تھا تاہم اس کے بھی حصے بخرے کر لئے گئے - اور جس ملاح کو جس قدر ہاتھ لگا لیکر چلتا ہوا - اور اپنی کشتی میں جاکر رکھ آیا - میں حیران تھا کہ خود کہاں جاؤں آخر بتقدیر ایک کشتی میں بیٹھ گیا کنارے پر پہنچکر دیر تک اس کشتی کا انتظار کرنا پڑا جس میں بقیہ اسباب تھا - یہ مرحلہ طے ہوا تو آگے پروانہ راہداری اور معائنہ اسباب کی مصیبت کا سامنا تھا - بارے بہزار خرابی دوپہر تک ان جھگڑوں سے نجات ملی - اور نماز ظہر کے قریب شہر میں پہنچا -

یافہ جسکو انگریزی میں جافا کہتے ہیں نہایت قدیم شہر ہے - توریت میں اسکا ذکر ہے اور مورخ بلینی کا بیان ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھا - سنہ ۱۳ ہجری میں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد تھا اسلام کے قبضہ میں آیا چونکہ یہ شہر بیت المقدس کا اسٹیشن ہے یعنی یہیں سے بیت المقدس جاتے ہیں اسلئے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت رہتی ہے شہر کا وہ حصہ جسکو یورپین آبادی کہا جا سکتا ہے خوبصورت اور پر فضا ہے -

میوہ جات یہاں کثرت سے ہوتے ہیں - انار نہایت عمدہ ہوتا ہے اور بہت سستا

آتا ہے۔ ایک بڑی خصوصیت اس شہر کی یہ ہے کہ شہر کے باہر باغوں کا ایک سلسلہ ہے اور متصل دو تین میل تک چلا گیا ہے۔ بیت المقدس یہاں سے ۴۰ میل ہے اب تو ریل جاری ہوگئی ہے۔ لیکن اُسوقت شکرم چلتی تھی۔ میں مغرب کے قریب سوار ہوا راہ میں بعض مشہور مقامات (رملہ وغیرہ) آئے لیکن رات کی وجہ سے میں کچھ دیکھ نہ سکا۔

صبح ہوتے ہوتے پہاڑوں کا سلسلہ نظر آیا جو برابر بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ سڑک اگرچہ بڑے پیچ ویچ سے چکر کھاتی ہوئی گئی ہے۔ لیکن نہایت صاف اور ہموار ہے۔ پہاڑ کا دامن بالکل سرسبز اور شاداب ہے۔ اور عجیب لطف وفضا کا مقام ہے جابجا عربوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ مکانات اگرچہ تنگ، ومختصر ہیں۔ لیکن بالکل سفید پتھر کے ہیں سبزہ زار میں یہ سپیدی نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ دس بارہ میل چلکر ختم ہوا۔ اور بیت المقدس کی آبادی نظر پڑی۔

بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے میں ایک ہفتہ یہاں رہا اور مسجد اقصیٰ اور تمام وغیرہ کی سیر کی گاڑی سے اُتر کر میں سید عبدالرزاق آفندی کے مکان پر گیا انہوں نے بے اعتنائی کی (یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں تفصیل کے ساتھ آئیگا) تو ہوٹل میں جانیکا قصد کیا۔ راہ میں ہندیوں کا زاویہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ یہاں کے لوگوں سے ملنا مفید ہوگا چنانچہ زاویہ میں داخل ہوا تو پہلے شیخ زاویہ کا تماشہ ہے یہ شیخ رامپور کے رہنے والے ہیں اور ایک مدت سے یہاں رہتے ہیں۔ بیچارے کچھ پڑھے لکھے نہیں۔ نہایت معقول اور منتظم آدمی ہیں۔ زاویہ کو نہایت خوش سلیقگی سے درست کیا ہے۔ ایک کمرہ جو ملاقاتیوں کے لئے مخصوص ہے معقول طور پر آراستہ ہے۔ صحن میں پھولوں کی کیاریاں ہیں سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد باتوں باتوں میں جب انکو معلوم ہوا۔ کہ میں ہوٹل میں ٹھیرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ تمکو یہاں مفتی صاحب اور دیگر اہل علم سے ملنا ہے وہ ہوٹل میں ٹھیرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ میں زاویہ ہی میں ٹھیرا۔ لیکن زاویہ کا

کھانا اس خیال سے نہیں کھاتا تھا کہ وہ فقرا اور محتاجوں کے لیئے مخصوص ہے۔

بیت مقدس۔ مسجد اقصیٰ۔ قمامہ

بیت المقدس کسی خاص عمارت کا نام نہیں بلکہ شہر کا نام ہے۔ لیکن یہاں زیادہ تر قدس کہتے ہیں یہ متبرک شہر اگرچہ حضرت داؤد و سلیمان کی انتساب سے شہرت رکھتا ہے اور گویا اسکے وجود کی تاریخ انہیں انبیا کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ اس عہد سے بہت پہلے موجود تھا حضرت عیسیٰ سے ۱۰۴۸ برس پہلے حضرت داؤد نے اسکو مدبیون سے چھینا اور اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اس عہد سے آج تک وہ بڑے بڑے تاریخی واقعات کا مرکز رہا ہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ تھا اور عیسائیوں کا آج بھی ہے۔

موجودہ شہر کی آبادی پچاس۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔ مکانات اور عمارتیں معمولی درجے کی ہیں۔ سڑکیں بھی چنداں وسیع نہیں ہیں اور چونکہ اکثر جگہ مسقف بازار ہیں۔ اس لئے زیادہ تنگی اور تاریکی ہے۔ شہر کے گرد پتھر کی شہر پناہ ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۴۳ء میں تیار کرائی تھی۔ یہ حالت قدیم شہر کی ہے لیکن جدید آبادی نہایت پُر فضا اور پُر رونق ہے۔ سڑک نہایت وسیع اور دونوں طرف عالیشان عمارتیں ہیں بنگلے اور کوٹھیاں کثرت سے ہیں اور احاطے عموماً وسیع اور سبزہ و چمن بندی سے آراستہ ہیں۔ تمام شہر کی زبان اور وضع و لباس عربی ہے۔ قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی بہت سے زاویے اور تکئے ہیں ہر قوم اور ملک کے لئے الگ الگ زاویہ ہے اور مسافروں کو کھانا اور قہوہ مفت ملتا ہے۔ آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ میں اگست کے آغاز میں پہنچا تھا۔ تاہم دن کو گلابی جاڑا ہوتا تھا اور رات کو اچھی خاصی سردی پڑتی تھی۔ میوے کثرت سے اور نہایت شیریں ولذیذ ہوتے ہیں۔ اُسوقت انگور کا آغاز تھا جسطرح ہمارے یہاں صبح کے وقت بھٹے گاجر وغیرہ ٹوکروں میں بھر بھر کر بازار میں لاتے ہیں اور دور تک ڈھیر لگ جاتا ہے۔

بعینہ یہی حالت یہاں انگوروں کی ہے۔ میرا تمام دن یہ مشغلہ رہتا تھا کہ انگور کے دانے ٹونگا کرتا تھا۔

مسجد اقصیٰ

یہ وہ مبارک مسجد ہے جسکی بنا حضرت داؤد نے ڈالی اور حضرت سلیمان نے انجام کو پہنچایا۔ مسجد کا احاطہ جسکو حرم کہتے ہیں نہایت وسیع ہے لیکن زیادہ تر ناہموار اور غیر مسطح ہے۔ اور اکثر جگہ خودرو گھانس اور جھاڑیاں ہیں۔ میں نے لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ سلطان نے کئی دفعہ اسکی مرمت اور درستی کے لئے رقم کثیر بھیجی۔ لیکن کارپردازوں اور مجاوروں نے اسکا بہت کم حصہ صرف کیا۔ طرہ یہ کہ میں نے خود مجاوروں سے پوچھا تو ایک صاحب نے فرمایا کہ "ہاں کچھ رقم مجاورون کے تصرف میں بھی آتی ہے۔ اور کیوں نہ آئے باورچی کھانا پکاتا ہے تو نمک خواہ مخواہ چکھ لیتا ہے"۔

مسجد کی عمارت جسکا طول (۱۰۰۰) گز اور عرض (۱۰۰) گز ہے نہایت خوبصورت پرتکلف اور شاندار ہے۔ چھت ستونوں پر ہے اور (۷۰۰) صرف سنگ رخام کے ستون ہیں۔ جا بجا پچی کاری اور طلائی کام ہے۔ یہ عمارت جسقدر ہے عبدالملک بن مروان کی بنوائی ہے۔ البتہ بنیادوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد کے عہد کی ہیں بائیں جانب عمارت اور کسی قدر فاصلے پر ایک وسیع تہ خانہ ہے۔ دس بارہ سیڑھیاں اُتر کر سطح زمین ملتی ہے۔ یہاں نہایت عالیشان محرابوں کی سات قطاریں ہیں محرابون کے ستون نہایت چوڑے اور بلند ہیں۔ مجاورین ان محرابوں کو حضرت سلیمان کے عہد کی تعمیر بتاتے ہیں اور اسقدر تو یقینی ہے کہ اسلام کے قبل کی ہیں۔

حرم مسجد میں اور بہت سے متبرک مقامات ہیں۔ مثلاً قبۃ السلسلہ قبۃ المعراج قبۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لیکن سب میں زیادہ پرشان قبۃ الصخرہ ہے۔ یہاں وہ

پتھر رکھا ہُوا ہے جسکی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ میں معلق ہے اور قیامت کے دن عرش مجید اسی پر رکھا جائیگا۔ اہل عرب اسکو صخرہ اور ہمارے ملک کے عوام تخت رب العالمین کہتے ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں کہ یہ پتھر نہایت قدیم زمانہ کا ہے اور ہر زمانے میں اسکی نہایت عظمت کی گئی ہے۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسپر قدم رکھا تھا۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین کے عہد سے پہلے جب اسپر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو انہوں نے اپنے خیال کے موافق اس نشان پر سونیکا قبہ بنایا تھا۔ مسلمان بھی اسکی نہایت عزت کرتے ہیں لیکن مجکو معلوم نہیں کہ کسی صحیح حدیث میں بھی اسکی کوئی فضیلت مذکور ہے۔

بہر نوع قبہ کی صورت یہ ہے کہ ایک بلند چبوترہ پر مثمن برج ہے جسکی بلندی کم و بیش (۱۰۰) فیٹ ہے چھت اور دیواروں پر نہایت عمدہ لاجوردی اور طلائی کام ہے اور باوجودیکہ مدتوں کا بنا ہے تاہم اسقدر روشنی اور چمک ہے کہ نگاہ نہیں ٹہرتی مختصر یہ کہ زیب و زینت کے لحاظ سے علامہ بشاری کا یہ دعوے چنداں بیجا نہیں۔ کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ہم نے ایسی خوبصورت اور پر تکلف کوئی عمارت نہیں دیکھی۔ چند سیڑھیوں سے اُترکر غار میں داخل ہوتے ہیں یہاں وہ مقدس پتھر رکھا ہُوا ہے۔ غار اسقدر وسیع ہے۔ ساٹھ ستر آدمیوں کی بخوبی گنجائش ہے۔ صخرہ زمین سے دو قد آدم بلند ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ بالکل ہوا میں معلق تھا۔ ممکن ہے کہ اُس زمانے میں ایسا ہی ہو۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مدور دیوار ہے اور صخرہ اسپر اس طرح رکھا ہُوا ہے کہ دیوار کی چھت بنگیا ہے۔ مجاورین کا بیان ہے کہ صخرہ کو ہوا میں معلق دیکھ کر لوگ اسکے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک عورت کا اسقاط حمل ہو گیا۔ یہ واقعہ شیخ محی الدین اکبر کے عہد میں ہوا تھا شیخ موصوف نے اسکے گرد دیوار کھنچوا دی کہ بظاہر معلق نہ معلوم ہو۔ مجاورین یہ بھی کہتے ہیں کہ دیوار اسقدر لگی

اور اندر سے کھوکھلی ہے کہ کسی طرح صخرہ کا بار نہیں اٹھا سکتی۔ چنانچہ ایک مجاور نے میرے سامنے۔ دیوار کو انگلی سے کھٹکھٹایا اور کھن کھن آواز نکلی۔

یہ واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ یہ مقام مدت تک انبیاے کرام کا مسکن اور وحی والہام کا مہبط رہا ہے اسلئے آیات اور تجلیات الٰہی کے جس قدر آثار یہاں موجود ہوں محل تعجب نہیں۔ بیت المقدس اور اُسکے قرب وجوار میں اور بھی بہت سی زیارت گاہیں ہیں۔ مثلاً بیت اللحم۔ جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام تولد ہوئے تھے مقام خلیل جہاں حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب۔ وحضرت اسحٰق کی قبریں ہیں۔ وادی جہنم جہاں حضرت مریم مدفون ہیں ایک افسوس ہے کہ بعض اتفاقات کی وجہ سے میں ان مقامات کی زیارت سے مشرف نہ ہوسکا مقام خلیل کے لئے جو بیت المقدس سے پندرہ بیس میل ہے۔ میں نے دو تین روز برابر کوشش کی۔ لیکن ان دونوں یہودیوں کا کوئی تیوہار تھا۔ اسلئے سواریاں بالکل ناپید تھیں اور ملتی بھی تھیں تو چوگنے کرایہ پر ملتی تھیں۔

قمامہ

یہ وہی قیامت زا مقام ہے جسکے لئے ایک زمانہ میں تمام یورپ اُمنڈ آیا تھا اور مدتوں تک یہ طوفان برپا رہا تھا۔ یہ ایک زمانہ وسیع گرجا ہے اور عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مقام میں مصلوب و مدفون ہوئے اور یہیں سے آسمان پر گئے اس مکان کا اہتمام وانتظام اگرچہ عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے لیکن چونکہ ترکی حکومت میں واقع ہے اور چھ لاکھ اہل یورپ کے مقابلے میں صلاح الدین کی معرکہ آرائیوں کی یادگار رہے۔ اسلئے اُسکا جواب یعنی کلید بردار مسلمان ہے چنانچہ میں جب اس گرجا میں گیا تو اُسی کی رہبری سے تمام مقامات کی سیر کی۔

مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے رہبان اور قسیس نہایت خضوع وخشوع کیساتھ عبادت میں مصروف ہیں۔ لو اب پہلے مجھکو اس مقام پر لے گیا۔

جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق) آسمان پر گئے
یہ ایک مختصر سا حجرہ ہے صدر کی جانب چبوترے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مورت ہے تمام
بدن بجز ستر عورت کے برہنہ ہے۔ صورت سے کسی قسم کے تقدس اور شان نبوت کا اظہار نہیں ہوتا
میں جب اس حجرہ میں گیا تو شمع روشن تھی اور ایک بڑا شین پادری تصویر کی طرف ٹکٹکی
باندھے مراقبہ میں مصروف تھا۔ مراقبہ سے فارغ ہوچکا تو مجاور نے اُسکے سر پر تھوڑا سا
پانی چھڑکا جس کو اُس نے بڑے ادب اور خشوع سے اپنے چہرہ اور ڈاڑھی پر مل لیا۔
صلیب دئے جانے کی جگہ بھی شان و شوکت کی ہے لیکن اُسکو دیکھکر عیسائیوں کی
سادہ دلی پر سخت افسوس آتا ہے۔

ایک بلند مستطیل چبوترے پر جو سرتا پا سنگ مرمر کا ہے صلیب کھڑی ہے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی ہتھیلیوں میں آہنی کیلیں ٹھکی ہیں۔ پاؤں کو اوپر تلے لکڑی پر رکھ کر
اس طرح میخ ٹھونکدی ہے کہ پاؤں کو توڑ کر لکڑی میں نکل گئی ہے اسی کے قریب بائیں
طرف حضرت مریم نہایت غمگین کھڑی ہیں۔ حضرت مریم کا مجسّمہ یعنی اسٹیچو نہایت تناسب سے سونے
کی مورت ہے اور لباس کیساتھ بنائی گئی ہے۔ لباس پیشواز کے مشابہ ہے اس مقام پہ
بڑے بڑے رہبان اور قسیسوں کا مجمع تھا (راہبہ عورتیں) بڑے خضوع و خشوع سے
صلیب کیطرف ٹکٹکی باندھے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ مذہبی خیالات بھی کیا ہی عجیب چیز ہیں!!!

علما اور فضلا کی ملاقات اور بعض دیگر حالات

بیت المقدس کے مشہور اور نامور عالم سید طاہر ہیں جو مفتی شہر ہیں اور مفتی
ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں میں نے ان کی تعریف سنی تھی۔ اس لئے
بیت المقدس پہنچکر سب سے پہلے انہیں کی ملاقات کا قصد کیا۔ جوں ہی میں کمرے میں
داخل ہوا مفتی صاحب اور تمام حاضرین تعظیم کو اُٹھے (یہ طریقہ یہاں عام ہے اور ہر شخص
کے لئے برتا جاتا ہے) مزاج پرسی اور مختصر حالات پوچھنے کے بعد ایک صاحب نے وہ کا

"اصل حضرتکم من العلماء یعنی غالباً آپ علما میں سے ہیں میں نے کہا کہ "لا ولکن من طلاب العلم یعنی "عالم تو نہیں البتہ طالب علم ہوں"۔ وہ پہلے سے ایک علمی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور میرے پہنچنے کی وجہ سے انکی صحبت برہم ہو گئی تھی جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں تو ایک صاحب نے نہایت تہذیب اور معقولیت سے کہا کہ "ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ مسئلہ آپکے سامنے بھی پیش کیا جائے"۔ انکے خاص الفاظ یہ تھے یا حضرۃ الشیخ قد کنا قبل ذلک فی بحث فلو اجبتم عرضنا علیکم غرض انہوں نے وہ مسئلہ بیان کیا اور وہ یہ تھا کہ "قرآن مجید کی اس آیت میں کہ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد خدا نے آنحضرت کو مخاطب کرکے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا۔ حالانکہ یہ واقعہ آنحضرت کی ولادت سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا تھا" میں نے کہا کہ رویت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل عرب جاہلیۃ کے اشعار میں بھی یہ اطلاق جا بجا موجود ہے ایک صاحب نے میری تقریر پر اعتراض کرنا چاہا لیکن مفتی صاحب نے کہا یہ جواب بالکل صحیح ہے اور اسمیں جائے گفتگو نہیں میں جب تک بیت المقدس رہا قریباً ہر روز اس پر لطف صحبت میں شریک ہوتا رہا۔

مفتی صاحب تقدس اور شریفانہ اخلاق کی مجسم تصویر ہیں اور اسی کا اثر ہے۔ کہ تمام شہر انکی نہایت عزت کرتا ہے۔ انکی تنخواہ کل تین سو قرش ہے یعنی تین پینتیس روپے [۳۵] لیکن شہر میں انکا جو اثر ہے وہ حاکم شہر کا بھی نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ اگرچہ پرانے زمانے کے آدمی ہیں اور نہایت مقدس ہیں تاہم آزاد خیال ہے اور مذاق حال سے آشنا ہیں

لطیفہ۔ ان ممالک میں علما کو عمامہ یا ٹوپی پر ایک سفید ومجی جسکو لفہ کہتے ہیں۔ لپیٹنا ضروری امر ہے۔ میں جس دن حمامہ کی سیر کو گیا میرے سر پر صرف ٹوپی تھی عمامہ نتھا

راہ میں جا رہا تھا کہ ایک صاحب نے جو روشناس ہو گئے تھے دیکھ لیا۔ اور مفتی صاحب کے جلسے میں اسکا تذکرہ کیا۔ چونکہ وہاں کی رسم کے موافق یہ بالکل نئی بات تھی۔ لوگوں میں اس کے چرچے ہوئے۔ یہاں تک کہ دوسرے دن جب میں مفتی صاحب کے دربار میں گیا تو ایک صاحب نے بڑے تعجب اور حیرت سے پوچھا کہ سمعنا ان حضرۃ الشیخ خرج من غیر لفّہ یعنی ہم نے سنا کہ جناب والا عمامہ و لفہ کے بغیر بازار میں نکلے۔ میں نے کہا "ہاں میں عیسائیوں کے گرجے میں گیا تھا اور ایسے مقامات کے لئے عالمانہ لباس موزوں نہیں ہے۔ سب بول اٹھے کہ واللہ قد اصبتم یعنی آپ نے بالکل بجا کیا۔

ایک دن میں بخارا والوں کے زاویہ میں گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی دن بخارا کے چند رئیس اور معزز لوگ حج سے پھر کر بیت المقدس کی زیارت کو آئے تھے۔ شیخ زاویہ نے مجھ کو ان لوگوں سے ملایا۔ صورت اور وضع سے دولتمند اور محترم اور موقر معلوم ہوتے تھے۔ بعض صاحب علم اور فقیہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ **روس** کی حکومت میں رہتے ہیں۔ میں ان سے روسی گورنمنٹ کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ بہت شکایت کرتے تھے اور زیادہ تر اس بات کے شاکی تھے کہ مسلمان بجبر فوج میں داخل کئے جاتے ہیں اور کسی اسلامی حکومت سے جنگ پیش آتی ہے تو مسلمانوں کو اپنے ہی ہم مذہبوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

بیت المقدس سے روانگی

بیت المقدس سے روانہ ہو کر میں یافہ میں آیا۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر تیسرے دن اسکندریہ پہنچا۔ جہاز کا لنگر کرنا تھا کہ قلیوں اور ملاحوں کی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یہ آفت یوں تو ہر جگہ ہے۔ لیکن اسکندر کو اس خصوصیت میں تمام مقامات پر ترجیح ہے۔ بہزار خرابی کنارے پر پہنچا۔ وہاں قلیوں کا ہجوم تھا اور ایک ایک مسافر پر چار چار گرتے پڑتے تھے۔ ایک قلی نے زبردستی میرا اسباب اٹھا لیا۔ مجبوراً میں اُس کے ساتھ ہو لیا۔ اسکندریہ۔ نہایت قدیم زمانے کی یادگار ہے اور اس لحاظ سے اسکی سیر ضروری

تھی لیکن مجھ کو قاہرہ جانے کی جلدی تھی۔ اس لئے میں نے اُسی وقت گاڑی کرایہ کی اور اسٹیشن پہنچا۔ لطف یہ کہ قلی صاحب بھی گاڑی پر بیٹھ لئے اور میرے پہلو میں بیٹھے میری کیا مجال تھی کہ اُنکی اس جسارت پر معترض ہوتا۔

دریا کے کنارے سے اسٹیشن تک شہر کا جو حصّہ نظر سے گذرا نہایت آباد اور پر رونق تھا۔ سڑکیں وسیع اور دونوں طرف نہایت بلند مکانات اور دوکانیں تھیں اسٹیشن پر پہنچکر معلوم ہُوا کہ ابھی دو تین گھنٹے کی دیر ہے۔ میں نے کہا لاؤ جب تک ادھر اُدھر پھر آؤں پاس ہی ایک جامع مسجد تھی وہاں گیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے، وضو کرنے کا حوض وسیع اور خوشنما ہے۔ گرد استنجا خانے اور پاخانے ہیں۔ لیکن صفائی کا اسقدر اہتمام ہے کہ بو اور رائحہ کا نام تک نہیں۔

دس بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ یہاں کی گاڑیوں میں بجائے بنچوں کے آہنی کرسیاں ہوتی ہیں اور دو دو اسطرح ساتھ جڑی ہوتی ہیں کہ دونوں کی پشت ملی ہوتی ہے۔ ہر درجے میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہوتی ہے۔ چار ایک طرف چار ایک طرف۔ سونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ رفع حاجت کا بھی کوئی بندوبست نہیں۔ دریافت سے معلوم ہُوا کہ یورپ میں بھی اسی قسم کی گاڑیاں ہیں۔ البتہ ایک بات نئی ہے اور آرام سے خالی نہیں۔ وہ یہ کہ گاڑی ہی میں خوانچے والے جو بسکٹ۔ ڈبل روٹی۔ پنیر۔ اور میوے بیچتے ہیں۔ ہر وقت موجود رہتے ہیں اور چونکہ تمام گاڑیوں میں اس سرے سے اُس سرے تک آمد و رفت ہوسکتی ہے خوانچہ والا ہر وقت پھرتا رہتا ہے اور تمام گاڑیوں میں چکر لگاتا ہے۔

سید صاحب نے اپنے سفرنامے میں یہاں کی ریل کے کارخانے۔ سڑک۔ اسٹیشن لالٹینوں۔ غرض ہر ایک چیز کی نسبت بے سلیقگی اور میلے پن کی سخت ہجو کی ہے اُسوقت یہی حالت ہوگی۔ لیکن اب یہ شکایت نہیں ہوسکتی میں نے اسکندریہ سے قاہرہ اور قاہرہ سے اسمٰعیلیہ تک ریل میں سفر کیا۔ میرے نزدیک کوئی چیز قابل اعتراض نہ تھی۔

اس سفر میں جسقدر حصہ مصر کا میری نظر سے گزرا عجب سرسبز وشاداب تھا۔ جہانتک نگاہ جاتی تھی نہایت سبز سبز کھیتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکندریہ سے قاہرہ تک جس قسم کی عمدہ پیداوار نظر آئی میں نے ہندوستان میں پچاس ایکڑ زمین بھی ایسی نہیں دیکھی۔ ریل شام کے قریب **قاہرہ** پہنچی اور میں نے **جامع ازہر** کے قریب ایک لوکانڈہ (ہوٹل) میں قیام کیا۔

بیروت میں عبدالباسط آفندی نے مجھکو ایک خط دیا تھا کہ قاہرہ پہنچکر شیخ عبدالحلیم کے پاس بھجوا دینا۔ شیخ عبدالحلیم۔ عبدالباسط آفندی کے چچیرے بھائی ہیں اور جامع ازہر میں پڑھتے ہیں۔ میں نے وہ خط اُنکے پاس بھجوا دیا۔ وہ دوسرے دن ہوٹل میں تشریف لائیے اور کہا کہ "اگر آپ کو یہاں کے علمی حالات دریافت کرنے ہیں اور علما اور شیوخ سے ملنا ہے تو ہوٹل میں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ یہاں علما اسکو بہت معیوب سمجھتے ہیں" چنانچہ انکی ہدایت کے موافق میں جامع ازہر میں گیا اور انہوں نے رواق الشامیین میں ایک پرفضا حجرہ میرے لیئے خالی کرا دیا۔ ایک مہینے سے زیادہ میں یہاں مقیم رہا۔ شیخ عبدالحلیم قریباً ہروقت میرے پاس ..... رہتے تھے اور میری تمام ضرورتوں کو انجام دیتے تھے۔ وہ میرے رہنما انیس مُعَرِّف۔ اور اگر گستاخی نہ ہو تو نوکر اور خادم بھی تھے۔ اور نوکر بھی بے تنخواہ بے غرض۔

قاہرہ کا اجمالی حال

یہ شہر مصر کا دارالسلطنت ہے بلکہ حال کے محاورہ میں مصر کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو یہی شہر مراد ہوتا ہے۔ **جوہر**۔ سپہ سالار فاطمین نے ۳۵۸ھ میں اس کو آباد کرایا تھا اور اُس عہد سے آج تک اسکو روز افزوں ترقی ہے۔ موجودہ مردم شماری ۳۷۴۸۳۸ ہے۔ سڑکیں وسیع اور مکانات عموماً بلند اور خوش فضا ہیں۔ میں جب اُسکے وسیع اور پررونق بازاروں میں سیر کرتا پھرتا تھا تو **بمبئی** کا دھوکا ہوتا تھا۔ قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں اور بڑی تفریح اور آرام کی چیز ہیں۔ لباس اور وضع یہاں کی

نہایت بھونڈی اور ناموزوں ہے۔ عوام نیلگوں لمبا کرتہ پہنتے ہیں۔ جس کا چاک کھلا رہتا ہے۔ پاجامہ تہمد وغیرہ بالکل نہیں پہنتے۔ خواص قفطان اور عبا پہنتے ہیں لیکن چونکہ عبا میں کالر نہیں ہوتا گردن کھلی رہتی ہے اور بدنما معلوم ہوتی ہے۔ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون کا استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ روز بروز زیادہ مقبول ہوتا جاتا ہے عورتوں کی وضع اور لباس اس قدر بیہودہ اور بدنما ہے کہ اس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا عام عورتیں تو وہی نیلگوں لمبا کرتہ پہنتی ہیں۔ لیکن دولتمند اور نئی فیشن کی بیگمات جنکا لباس بالکل یورپین ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک بدنما نیلگوں برقع اوڑھ کر ہیچا یا ہوّا بنجاتی ہیں برقع میں ناک کی جڑ سے سینے تک ایک سیاہ دھجّی سونڈ کی طرح لٹکتی رہتی ہے۔ اس دھجی کے اٹکانے کے لئے سونے یا پیتل کی ایک نلّی ہوتی ہے جو پیشانی پر لٹکتی رہتی ہے اور بجائے زیور کے استعمال کیجاتی ہے۔

عام آدمیوں کے اخلاق میں دنارت زیادہ پائی جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی چیز کی قیمت چکانے میں حضرت امام حسین علیہ السلام یا حضرت عبدالقادر جیلانی کا واسطہ دلایا جاتا ہے۔ مرد اور عورت بکثرت بھیک مانگتے ہیں اور بلا کیطرح لپٹ جاتے ہیں موسم کے لحاظ سے یہ ملک ہمارے ہندوستان کے مشابہ بلکہ اس سے بدتر ہے کچھ عجیب طرح کی گرمی پڑتی ہے۔ طبیعت ہر وقت مضمحل اور سست رہتی ہے۔ اور کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مجھ کو خیال تھا کہ میں یہاں بہت کام کرسکوں گا۔ اور اسی وجہ سے **بیروت و بیت المقدس** میں کم قیام کیا تھا کہ یہاں زیادہ دنوں تک رہ سکوں۔ لیکن گرمی نے وہ تمام منصوبے غلط کر دیئے۔ صبح کے وقت گھنٹہ دو گھنٹہ کام کرتا تھا باقی تمام دن حجرے میں بیکار پڑا رہتا تھا +

مصر

میں

تعلیم کی حالت

ممالک اسلامیہ میں جو مقامات آج کل تعلیم کے مرکز خیال کئے جاتے ہیں قسطنطنیہ اور قاہرہ ہیں۔ اسی لحاظ سے میں نے ان دونوں مقاموں کی تعلیمی حالت دریافت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی۔ قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی سررشتہ تعلیم کے عہدہ داروں سے ملا۔ سالانہ رپورٹیں پڑھیں۔ متعدد کالجوں کے پروگرام دیکھے۔ بڑے بڑے کالجوں میں خود جا کر اساتذہ کا طریق درس دیکھا۔ ان تحقیقات جو باتیں معلوم ہوئیں اُن کو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس موقع پر یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ اگرچہ قسطنطنیہ میں تعلیم کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہے مصر اور قاہرہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں تاہم مصر کو اس بات میں ترجیح حاصل ہے کہ یہاں سررشتۂ تعلیم کے کاغذات جو عام طور پر شائع ہوتے ہیں۔ زیادہ مرتب اور مفصل ہیں۔ اور اس لئے میں قسطنطنیہ کی بہ نسبت یہاں کی تعلیمی حالت زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ لکھ سکونگا۔

قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم وجدید۔ یہ دونوں طریقے بالکل مختلف ہیں۔ اور اس اختلاف نے دونوں کو نہایت سخت نقصان پہنچایا ہے۔ قدیم تعلیم جو ہزار برس پیشتر کی تعلیم کا بگڑا ہوا خاکہ ہے۔ ملک کی آب وہوا میں سرایت کر گئی اور چونکہ وہ مذہب کے پیرایہ میں ہے سلطنت کا اثر بھی اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مصر میں اگرچہ ایک مدت سے جدید تعلیم کی بنیاد پڑ چکی ہے اور خود گورنمنٹ نے اسکو خاص اپنے سایۂ حافظت میں لیا ہے۔ بہت سے لڑکوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے اور فیصدی ایک سے کچھ فیس نہیں لیجاتی۔ تمام بڑے بڑے عہدے صرف نئے تعلیم

یافتہ لوگوں کو ملتے ہیں - یہ سب کچھ ہے تاہم وسعت تعلیم کا یہ حال ہے کہ شہر و اطراف کے تمام چھوٹے بڑے اسکولوں اور کالجوں کو ملا کر طالب علموں کی تعداد دس ہزار بھی نہیں ہے حالانکہ قدیم طریقے پر تعلیم پانیوالے صرف جامع ازہر میں دس ہزار سے زیادہ ہیں اسقدر ضرور ہے کہ جدید تعلیم کا ہر قدم آگے ہے اور قدیم طریقے کا زور روز بروز گھٹتا جاتا ہے - سرکاری مدرسوں میں ہر قسم کے طلبا کی تعداد جو ہر سال بڑھتی جاتی ہے - اُسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۸۸۶ء میں پڑھوں کی تعداد فیصدی ۴۸ تھی - اور ۱۸۸۸ء میں ۵۶ ہوگئی - اسی طرح غیر بورڈر ۱۸۸۶ء میں ۱۷ فیصدی تھے - اور ۱۸۸۸ء میں ۷۹ ہوگئے -

ہم اس موقع پر ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں جو ۱۸۸۸ء کی رپورٹ سے مرتب کیا گیا ہے اور جس سے تمام اسکولوں اور کالجوں کی تفصیل اُنکے سالانہ مصارف - طالب علموں کی تعداد اور دیگر حالات معلوم ہوں گے -

نام مدرسہ	خرچ سالانہ بحساب ۱۸۸۸ء	تعداد طالب علم ۱۸۸۸ء	تعداد طلبہ جو فیس دیتے ہیں	تعداد فیس	[illegible]	تعداد وظیفہ خواران	کیفیت
مدرسۃ الطب	۴۸۱۲ پونڈ	۱۸۳	۷۹	سالانہ ۴ پونڈ	۴۷	۲۲	پونڈ کم از کم ۱۰ روپیہ کا ہوتا ہے
مدرسۃ الولادۃ	۸۱۶	۱۱	*	*	۱۱	*	
مہندس خانہ	۴۱۴۰	۳۳	۷	۱۵ پونڈ	۱۲	۱۸	
مدرسۃ الحقوق یعنی قانون کا مدرسہ	۴۱۴۲	۶۲	۲۷	۱۵	۱۵	۱۱	
دار العلوم	۱۵۲۶	۳۱	*	*	۱	۳۷	میں نے جب اس کالج کو دیکھا تو ۵۵ طالب علم تھے

مدرسۃ الترجمہ	۱۴۳۵	۳۰	۳	۶	۲۳	۲	
مدرسۃ الصنائع	۷۸۱۹	۲۷۰	۱۲	۶	۲۶۰	✤	
التوفیقیہ	۶۴۱۸	۲۸۸	داخلیہ ۲۵ خارجیہ ۲۲۱	۲۰ ۱۲	۳	۱۵	داخلیہ سے بورڈر خارجیہ سے غیر بورڈر مراد ہیں
التجہیزیہ	۷۷۵۴	۳۳۰	داخلیہ ۵۲ خارجیہ ۹۰	۱۶ ۸	۱۸۵	✤	
مبتدیان	۴۲۸۳	۲۵۸	داخلیہ ۶۹ خارجیہ ۸۱	۱۴ ۶	۱۱۹	✤	
اسکندریہ	۱۳۶۸	۲۱۴	۱۰۹	۱	۷۹	✤	
المنصورہ	۱۲۹۴	۱۴۳	۸۰	۱	۷۱	✤	

ان سرکاری مدرسوں کے سوا ۲۰ پرویٹ اسکول ہیں۔ جنکا طریقہ تعلیم اور کورس بالکل سرکاری مدرسوں کے مطابق ہے اور امتحانات وغیرہ بھی سررشتہ تعلیم کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں ان اسکولوں کا خرچ سالانہ ۵۲۳۳ پونڈ تھا جو کم و بیش ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کے برابر ہے۔ طالبعلموں کی تعداد ۱۸۸۸ء میں ۲۳۶۳ تھی مدارس اور طالبعلموں کی تعداد ہر سال ترقی کرتی جاتی ہے چنانچہ ۱۸۹۱ء میں پرویٹ اسکولوں کی تعداد ۲۰ سے ۱۲۰ ہو گئی جسمیں دس ہزار تیرہ سو طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ اسی طرح اس سنہ میں سرکاری مدارس کے طالب علموں کی تعداد ۲۰۷ اور فیس کی آمدنی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہوگئی[۵۱]۔

۵۱ خدیو حال کو تعلیم کی ترقی کا نہایت خیال ہے چنانچہ سنہ حال یعنی ۱۸۹۲ء کے اُس اجلاس میں جسمیں سلطنت کا بجٹ پیش ہوا تھا۔ خدیو موصوف نے خاص تعلیمات کے صیغہ کے متعلق جو گفتگو کی اسکے بعض فقرے یہ تھے۔ سررشتہ تعلیم کی وسعت اور ترقی کی نہایت ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم نے اس سال رقم سابق پر بارہ ہزار پونڈ (قریباً دو لاکھ روپے) کا اضافہ منظور کیا۔ تعلیم کیطرف لوگوں کا میلان روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اس سال بہ نسبت اور سالوں کے پندرہ سو لڑکے کالجوں اور اسکولوں میں زیادہ داخل ہوئے

مصر کی اصطلاح میں تعلیم کے تین درجے قرار دیئے گئے ہیں۔

ابتدائی جس میں چار صفیں ہیں اور اُس کی کل خواندگی ہمارے یہاں کے مڈل کلاس کی برابر ہے۔

تجہیزی ابتدائی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس میں پانچ کلاسیں ہیں اور اُس کی خواندگی ہمارے یہاں کے انٹرنس کی برابر ہے۔

خصوصی۔ یعنی لا کلاس اور دار العلوم وغیرہ۔

مدارس تجہیزیہ میں فرنچ یا انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ۱۸۸۹ء سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ ان مدرسوں میں۔ تاریخ جغرافیہ علوم طبیعتہ لازمی طور پر فرنچ یا انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں۔ ان زبانوں کی ترقی کے لئے سررشتہ تعلیم نے یہ حکم جاری کیا کہ بھی تعلیم صرف یورپین پروفیسروں کے ذریعے سے دلائی جائے اس پہلے چونکہ فرنچ کا اثر زیادہ تھا۔ اس لئے فرنچ پڑھنے والے طلبا کی تعداد زیادہ تھی چنانچہ ۱۸۸۹ء میں انکی تعداد ۲۵۰۰ تھی اور انگریزی خوان صرف ۸۰۰ تھے۔ لیکن اب انگریزی خوانوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور فرنچ پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً وہی ہے جو ۱۸۸۹ء میں تھی۔

اب ہم بڑے بڑے کالجوں اور بعض اسکول کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں

دار العلوم

مصر اور نہ صرف مصر بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں جو کالج مجھ کو سب سے زیادہ پسند آیا۔ اور

"صنعت کے جو مدرسے بند ہو گئے تھے میں نے دوبارہ اُنکے جاری ہونیکا حکم دیا۔

علی پاشا کی وہ یادداشت جس میں اُنھوں نے پانسو ابتدائی مکتبوں کا دیہات و قصبات میں کھولا جانا تجویز کیا تھا۔ میں نے اسکی طرف توجہ مائل کی ہے۔ اور میں اس تجویز کو بالکل پورا کرنا چاہتا ہوں"۔

"بہرحال آپ لوگ تعلیم کیطرف سے مطمئن رہئے۔ میں اس صیغہ کو بہت قوت دونگا"۔

جسکو میں نے مسلمانوں کے درد کے لیئے کافی سمجھا وہ یہی کالج ہے۔ میرا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور میں نہایت مضبوطی سے اُس پر قائم ہوں۔ کہ مسلمان مغربی علوم میں گو ترقی کے کسی رتبے تک پہنچ جائیں۔ لیکن جب تک اُن میں مشرقی تعلیم کا اثر نہ ہو۔ اُن کی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جا سکتی۔ بے شبہہ مشرقی تعلیم کی جو موجودہ اسکیم ہے۔ وہ نہایت ابتر اور غیر ضروری ہے۔ لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح ہیں اور جس تعلیم میں اس روحانیت کا مطلق اثر نہ ہو۔ وہ مسلمانوں کے مذہب قومیت۔ تاریخ۔ کسی چیز کو بھی زندہ نہیں رکھ سکتی۔

جس مصیبت کا ہندوستان میں رونا ہے۔ وہی قسطنطنیہ۔ بیروت اور مصر میں بھی موجود ہے۔ یعنی نئی تعلیم میں قومیت اور مذہبی پابندی کا اثر کم ہے۔ اور پرانی تعلیم اس قابل نہیں کہ دنیا کی موجودہ ضرورتوں کا ساتھ دیسکے۔ صرف ایک یہ دارالعلوم ہے جو دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہتا ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ ابھی پورا کامیاب نہیں ہوا۔ اس کالج کا اول جسکو خیال آیا وہ **علی پاشا مبارک** مصر کا ایک مشہور روشنضمیر ہے اس نے خود مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں حاصل کی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانیں جانتا ہے وہ کئی دفعہ مصر کی سررشتہ تعلیم کا افسر رہ چکا ہے۔ اُسکی تاریخی تصنیفات تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور درحقیقت نہایت مفید ہیں۔ اُس نے جامع ازہر کی طرز تعلیم کی بھی اصلاح کرنی چاہی تھی۔ لیکن ازہر کے شیوخ راضی نہ ہونے غالباً اس کے بعد اُس نے اُس کالج کی بنیاد ڈالی۔

اول اول اس کالج کا ظاہری مقصد یہ قرار دیا گیا کہ اسکے تعلیم یافتہ۔ مدارس سرکاری کی مدرسی کے لیئے انتخاب کیئے جائیں۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ کی اجازت کے مطابق سررشتہ تعلیم نے یہ قاعدہ منظور کیا کہ اسکے سند یافتہ جج اور قاضی و مفتی مقرر ہو سکیں اسکے ساتھ کورس میں اور متعدد علوم اضافہ کیئے گئے اور ایک کمیٹی نے جسکا پریسیڈنٹ

جامع ازہر کا شیخ الشیوخ تھا۔ اسکے کورس کے لئے کتابیں منتخب کیں۔
اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرط یہ ہے۔ کہ طالب علم مشرقی علوم میں سے نحو۔ صرف۔ فقہ۔ اُصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث میں مناسب استعداد رکھتا ہو۔
تعلیم کی کل مدت چار برس ہے اور جو علوم پڑھائے جاتے ہیں اور جس طرح ہر ہفتہ میں اُن کے درس مقرر کئے گئے ہیں اُن کی تفصیل نقشۂ ذیل سے معلوم ہوگی۔

علوم جو پڑھائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال
فقہ	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق
تفسیر	+	+	۳	۲
تاریخ طبیعی	۲	۲	+	+
علوم بلاغت	۲	۲	+	+
اُصول فقہ	+	+	۲	۲
حکمۃ عملیہ	۱	+	+	+
جبر و مقابلہ و حساب	۴	۴	۴	۴
جغرافیہ	۲	۱	۲	۲
تاریخ عمومی	۱	۱	۱	۱
فن انشائی عربی	۳	۳	۴	۴
مختلف خطوط	۴	۴	۴	۴
تصویرکشی	۱	۱	+	+
ادبیات لغت عربیہ	+	+	۳	۳
قسموغرافی	+	+	۱	۱
طبیعیات وکیمیا	+	+	۲	۲
حدیث۔ کلام۔ منطق	+	۲	۱	+
نحو صرف۔ رسم خط عروض۔ قوافی	۳	۲	+	+

چونکہ اس کالج میں وہی طلبا داخل ہو سکتے ہیں جو علوم عربیہ اور فقہ و حدیث سے واقف ہوں اور اس قسم کے طلبا وہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے قدیم طریقے پر تعلیم پائی ہے اسلئے کالج میں طالب علموں کی تعداد بہت کم ہے۔ اگرچہ سر رشتہ تعلیم نے اسی لحاظ سے اس کالج میں کچھ فیس نہیں مقرر کی بلکہ بجائے اسکے ہر طالب علم کو پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے ایک وقت کا کھانا بھی کالج ہی سے ملتا ہے۔ طالبعلموں کے لئے جو لباس مقرر کیا گیا ہے وہ بھی وہی قدیم مولویانہ لباس ہے۔ جو لوگ یہاں سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں۔ اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن جن لوگوں کو پرانی تعلیم نے ایک دفعہ بھی چھو لیا تمام عمر کے لئے انکو علوم جدیدہ سے وحشت ہو جاتی ہے حالانکہ یہ علوم عربی ہی زبان میں تعلیم دیئے جاتے۔ میں نے جب اس کالج کو دیکھا تو اس میں ۴۵ طالب علم تھے۔ جن میں سے اکثر جامع ازہر کے تعلیم یافتہ تھے۔

درس کا طریقہ بھی یہاں خاص ہے۔ اُستاد یا شاگرد کسی کے ہاتھ میں کتاب نہیں ہوتی۔ اُستاد زبانی لکچر دیتا ہے اور اس وسعت اور فصاحت سے تقریر کرتا ہے کہ خود دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے مصر کے نہایت نامور علما اسکی پروفیسری کے لئے انتخاب کیئے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ حمزہ فتح اللہ پروفیسر ادب۔ شیخ حسن الطویل معلم الحدیث ڈاکٹر عثمان بک پروفیسر تاریخ طبعی یہ سب مصر کے مشہور علما ہیں اور انکی تصنیفیں نہ قدر کے قابل خیال کیجاتی ہیں مصر میں آج جو لوگ عربی کے نامور انشاپرداز ہیں اکثر اسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ادب کا جو کورس مقرر کیا گیا ہے وہ کوئی خاص کتاب یا چند کتابوں کا انتخاب نہیں ہے۔ بلکہ عربی لٹریچر کے وہ تمام نادر حصے جنکو فن ادب کی جان کہنا چاہیئے۔ اسی طرح تفسیر میں صرف اُن آیتوں کا درس ہوتا ہے جو بلحاظ بلاغت یا اخلاق یا مسائل کلام۔ زیادہ مہتم بالشان ہیں چنانچہ ۱۸۹۰ء میں جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا اسمیں ان تمام مقامات کی تفصیل کر دی گئی ہے اور

سرکاری مطبع میں چھپ کر شائع ہوگیا ہے۔

ادب اور فقہ کے درس میں میں خود بھی شریک ہوا تھا۔ دونوں پروفیسروں نے جس فصاحت اور خوبی سے تقریر کی اب تک میرے دل میں نقش ہے کاش ہمارے یہاں کے علما بھی اس طریقہ کی تقلید کرتے۔ طالب علموں کی استعداد کا حال اس سے ظاہر ہوگا کہ جس وقت ہم کالج کی سیر کر رہے تھے۔ احمد بیک ناظم نے جو کالج کے سکرٹری ہیں ایک طالب العلم کو جس کا نام احمد قوصی تھا بلایا اور اُس سے کہا کہ قلم دوات لیکر بیٹھ جاؤ۔ اور اسی وقت اُنکی شان میں (میری طرف اشارہ کرکے) کچھ اشعار لکھو۔ وہ سامنے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور یہ اشعار لکھکر سنائے۔

محمد ابن شبلی المعالی — لقد نشت انوره وعلوت قدرا

وقد اولیتنا شوقا وفضلا — بتشریف زیادۃ ارض مصرا

فلا زلنا نزال بجل انس — تزید تفضلا ونزید شکرا

اگرچہ شبلی المعالی کی ترکیب نے جوڑ ہے اور دوسرے شعر میں اقواء ہے تاہم خوبی زبان و جستگی ادا کے لحاظ سے میں نے بہت داد دی۔

مدرسۃ الحقوق

اس کالج میں قانون کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں کے سند یافتہ سول عہدوں پر مامور ہوتے ہیں۔ اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرطیں یہ ہیں کہ طالب علم کی عمر ۱۶ برس سے زیادہ ہو۔ تجہیزی تعلیم (انٹرنس کلاس) کی سند رکھتا ہو۔ چال چلن اچھا ہو۔ چیچک کا ٹیکا لگوا چکا ہو۔ تندرستی اچھی ہو۔ داخلہ کے وقت ایک خاص امتحان تحریری و تقریری لیا جاتا ہے۔ تحریر میں فرنچ اور عربی کی زباندانی کے متعلق سوالات ہوتے ہیں اور تقریر میں ان کے علاوہ تاریخ وجغرافیہ بھی داخل ہے اس امتحان میں کامیاب ہونیکے بعد اسکو اپنے باپ یا کسی مربی کا ایک خط پیش کرنا ہوتا

ہے جسکے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ "کالج کے خارج اوقات میں ہیں اس لڑکے کے چال وچلن کا ذمہ وار ہوں"۔ ان تمام باتوں کے بعد ۱۵ پونڈ یعنی کم وبیش دوسو روپیے بطور فیس کے داخل کرنے ہوتے ہیں اور اسوقت طالب علم کالج میں داخل کرلیا جاتا ہے۔ تعلیم کی مدت چار برس ہے اور مضامین جو تعلیم میں داخل ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

سال اول۔ عربی۔ فرنچ۔ ترجمہ۔ مسک دفاتر (یعنی املا وتحریر) شریعت اسلامیہ قانون قضا وعدالت۔ عام قانون اور پالٹیکس کے اصول عام۔

سال دوم۔ علاوہ مضامین بالا کے رومن لا۔ قانون فوجداری۔

سال سوم ایضاً " پولٹیکل اکونمی۔ تعزیرات۔ مرافعات۔ مدنیہ وتجاریہ

سال چہارم۔ شریعت اسلامیہ۔ پولٹیکل اکونمی۔ مرافعات۔ قانون تجارت۔ قانون عدالت خاص سلطنت کا قانون

ہرسال مختلف مضامین میں امتحان لئے جاتے ہیں اور یہ تمام امتحانات اور اخیر امتحان فرنچ زبان میں ہوتا ہے۔ صرف شریعت اسلامی کا امتحان عربی زبان میں ہوتا ہے۔ طالب علموں کو جب کسی قدر قانونی استعداد حاصل ہوجاتی ہے تو ہائیکورٹ اور دوسری عدالتوں میں کارروائی سے واقف ہونے کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ مقدمات کا خلاصہ لکھیں۔ خود کالج میں بھی عدالت کی مسلیں منگائی جاتی ہیں اور طالبعلموں سے انکے متعلق تحریر دعوی بیانات تحریری۔ اداے شہادت سوالات جرح۔ اور فیصلہ مقدمہ کی مشق کرائی جاتی ہے۔ میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کا سکرٹری ایک فرنچ ہے۔ وہ تو عربی سے بالکل ناواقف ہے لیکن اسکا نائب ایک نوجوان مسلمان ہے جو نہایت لائق شخص ہے اور متعدد زبانیں جانتا ہے وہ کالج کا پروفیسر بھی ہے اور فرنچ زبان میں نہایت برجستگی سے لکچر دیسکتا ہے

مجھ کو اپنے کلاس میں لے گیا اور کہا آج فرنچ میں لکچر دینے کا دن تھا لیکن میں تمہاری خاطر سے عربی میں لکچر دونگا۔ چنانچہ تعزیرات کے اصول پر کھڑے ہو کر لکچر دیا اور نہایت فصاحت اور وسعت سے تقریر کی۔ تمام کلاسوں میں جسقدر لڑکے تھے۔ پاکیزہ صورت اور پاکیزہ لباس تھے اور انکے چہروں سے متانت اور وقار ٹپکتا تھا۔

مدرسۃ الترجمہ

مصر میں چونکہ فرنچ اور انگریزوں کا بہت اثر ہے اور تمام بڑے بڑے ملکی عہدے انہیں دونوں قوموں کے ہاتھ میں ہیں مصریوں کو انکے ساتھ تعلق رکھنے اور انکی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے فرنچ اور انگریزی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ اس کالج کے قائم کرنے کی اصلی غرض اسی قدر تھی اور اسی وجہ سے ابتدا میں وہ زباندانی کی تعلیم پر محدود تھا اور ایک معمولی اسکول کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ۱۸۸۰ء میں اسکی اسکیم بہت وسیع کر دی گئی اور چار پروفیسر اور بڑھائے گئے جنمیں ایک فرنچ ہے۔ عربی۔ ترکی فرنچ۔ انگریزی۔ زبانوں کے علاوہ مضامین ذیل کی تعلیم بھی ضروری قرار دیگئی۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ حساب۔ ہندسہ۔ جبر۔ علوم طبیعہ۔ کیمیا۔ فقہ۔ توحید۔ یہ تمام مضامین بجز فقہ و توحید کے فرنچ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بعض مضامین انگریزی زبان میں بھی اس کالج نے جسطرح مصر کو ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے فائدہ پہنچایا ہے علمی ترقی کے لئے بھی وہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ مصر کی علمی زبان ابتک عربی ہے۔ اور غالباً ہمیشہ رہیگی۔ کالجوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ عموماً فرنچ سے ترجمہ کیگئی ہیں ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ فرانس میں ڈاکٹری وغیرہ کی جو نئی عمدہ تصنیف شائع ہو فوراً ترجمہ کر لیجائے۔ اور کالجوں کے کورس میں داخل کیجائے چنانچہ اسوقت تک سینکڑوں کتابیں ترجمہ ہو گئیں۔ اور ہوتی جاتی ہیں۔ ان تمام ضرورتوں کو اسی کالج نے پورا کیا ہے۔

مدرسۃ الطب

یہ بہت بڑا کالج ہے اور اسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ کالج کی عمارت نہایت وسیع ہے۔ اور مختلف مضامین کی تعلیم کے لئے کثرت سے جداگانہ بڑے بڑے کمرے مخصوص ہیں۔ تشریح کے لئے تجربے عمل میں آتے ہیں۔ ۱۸۹۰ء میں میکر و جراحی کی تعلیم کے لئے ان کے متعلق جداگانہ کارخانہ کھولا گیا ہے علم الحیوانات کی تعلیم ایک وسیع مکان میں ہوتی ہے جسمیں مختلف قسم کے جانور نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ کالج کے احاطہ میں ایک باغ ہے جو علم نباتات کی غرض سے تیار کیا گیا ہے، اور اُس میں سینکڑوں مختلف اقسام کے نبات ہیں۔ جنکی پرداخت نہایت اہتمام و نگرانی کیجاتی ہے علم الکیمیا بھی اسکی تعلیم کا ضروری جزو ہے ۱۸۸۸ء تک اسکی تعلیم صرف نظری طریقے پر ہوتی تھی ۱۸۸۷ء میں عملی تجربوں کے لئے کالج کی عمارت میں متعدد بڑے بڑے کمرے اور اضافہ کیے گئے اور ۱۸۸۸ء میں گیس وغیرہ اور جو چیزیں عملی تجربے کیلئے ضرور تھیں۔ اُسمیں مہیا کی گئیں۔ ہر سال اس کالج سے ایک گروہ کثیر تعلیم پاکر نکلتا ہے جنمیں سے بعض تکمیل تعلیم کے لئے یوروپ بھیجے جاتے ہیں۔

تمام کتابیں جو اس کالج کی نصاب تعلیم میں داخل ہیں عربی زبان میں ہیں اور فرنچ وغیرہ سے ترجمہ کیگئی ہیں۔ چونکہ یوروپ میں ہمیشہ اور علوم و فنون کیطرح علم طب بھی روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے اور ہر سال اُسکے مسائل میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے ایک کمیٹی خاص اس غرض سے مقرر ہے کہ اس قسم کی جو کتاب فرنچ وغیرہ میں شائع ہو اسی وقت عربی زبان میں ترجمہ کر لیجائے اور اس کالج کے کورس میں داخل کیجائے۔ اس طریقہ سے علم طب کے متعلق ترجمہ شدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہو گیا ہے۔ جسکی تعداد کتبخانہ خدیو کی فہرست سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مصر کے علما نے بہت سی کتابیں اس فن میں خود بھی تصنیف کی ہیں۔ اور بنا لی

و موجودہ طبابت میں محاکمہ بھی کیا ہے۔ کاش ہمارے ملک کے اطبا جو انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے یوروپ کی تحقیقات سے محروم ہیں۔ ان جدید تصنیفات کو بہم پہنچاتے ہیں۔ اور اُن سے مستفید ہوتے۔ لیکن ہماری قوم میں یہ ہمت کہاں! حالانکہ سچ پوچھیے تو کچھ ہمت کی بات بھی نہیں۔

اس کالج میں کل ۱۵ پروفیسر ہیں جنمیں سے تین یورپین۔ اور باقی مصری ہیں

بقیہ کالج اور اسکول

ان کالجوں کے سوا اور متعدد کالج انجینیری۔ صناعی۔ وغیرہ کے ہیں اور ترقی کی حالت میں ہیں۔ انجینیرنگ کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں اور اُسکے داخلہ امتحان کے متعلق جو قواعد ہیں ایک جداگانہ رسالے میں چھاپ گئے ہیں۔ جسکے صفحوں کی تعداد ۱۵۔ ہے اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی اسکیم نہایت اعلےٰ درجے کی ہے۔ میں جب اس کالج میں گیا تو پرنسپل نے مجھ سے شکایت کی کہ موجودہ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اس کالج کو نہایت نقصان پہنچایا ہے۔ اسکے قبل یہاں کا کورس وہی تھا۔ جو فرانس کے انجینیرنگ کالج کا ہے اور اسی غرض سے تمام مضامین فرنچ زبان میں پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن حال کے ڈائرکٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی میں پڑھائے جائیں۔ اور ہندوستان کے رڑکی کالج کی تقلید کیجائے۔ پرنسپل صاحب کہتے تھے کہ رڑکی کی مستعملہ کتابیں یہاں منگوائی گئیں اور میں نے اُنکو دیکھا۔ وہ یہاں کے موجودہ کورس سے نہایت کم رتبہ کی کتابیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم کو اسکی تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے"۔

مدرسۃ الصنائع جس میں صنعت اور حرفت کی تعلیم ہوتی ہے اور جسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ نہایت ترقی کی حالت میں ہے۔ نجاری۔ حدادی وغیرہ صنعتیں جو سکھائی جاتی ہیں علمی طریقے سے سکھائی جاتی ہیں۔ اور اس بنا پر کوئی

طالب علم جب تک تعلیم ابتدائی (جو مڈل کے برابر ہے) حاصل نہ کر چکا ہو اسمیں داخل نہیں ہو سکتا۔ عربی و فرنچ و انگریزی زبانوں کے علاوہ علوم ریاضیہ مشین کیمیا۔ طبیعات کے ابتدائی حصے بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ ہر روز تین گھنٹے ان نظری علوم کی تعلیم ہوتی ہے اور سات گھنٹے مختلف صنعتوں کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ سررشتہ تعلیم نے رپورٹ کی ہے کہ اس مدرسے کو نہایت ترقی ہے۔ اور جو چیزیں وہاں تیار کیجاتی ہیں تعجب انگیز ہیں۔

عام اسکول بھی کثرت سے ہیں۔ مدارس تجہیزیہ دو ہیں۔ توفیقیہ تجہیزیہ۔ توفیقیہ کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد ہے۔ اور قریباً چار سو طلبا اسمیں تعلیم پاتے ہیں۔ اسمیں ابتدائی صفیں بھی شامل ہیں۔ اس مدرسے کا مکان نہایت خوبصورت اور خوش فضا ہے خدیو مصر نے شاہی عمارتوں میں سے ایک وسیع مکان جسکا نام قصر النزہتہ ہے۔ مدرسہ کو عنایت کیا اور چونکہ اسکی وضع تعلیمی اغراض کے مناسب نہ تھی پچاس ہزار روپیہ اس غرض کے لئے اور عنایت کئے کہ حسب ضرورت اسمیں ترمیم و صلاح کیجائے چنانچہ سکریٹری مدرسے کی ہدایت کے مطابق اسکی عمارت میں ترمیم اور اضافہ کیا گیا۔ چونکہ مدرسے میں تعلیم کے تین درجے تھے قسم خاص۔ ابتدائی۔ تجہیزی۔ ان تینوں کے لئے جداگانہ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور ۲۵۰ طالبعلموں کے لئے بورڈنگ کے کمرے بنائے گئے مدرسے کے متعلق دو بڑے بڑے کمرے تصویر کشی اور کیمسٹری کی مشق کے لئے ہیں اور نہایت خوشنما ہیں۔

تجہیزیہ اسکا سالانہ خرچ کم و بیش دو لاکھ ہے اور چار سو لڑکے اس میں تعلیم پاتے ہیں۔ بورڈروں سے ۲۵ پونڈ یعنی ساڑھے چار سو روپے سالانہ فیس لیجاتی ہے بورڈنگ اگرچہ وسیع نہیں اور نہ طالب علموں کے لئے الگ الگ کمرے ہیں لیکن تمام لڑکے نہایت سلیقہ اور صفائی کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں جسوقت اس مدرسے میں گیا

کھانے کا وقت تھا سکرٹری مدرسہ نے جسکا نام احمد بک نظیم ہے۔ مجھ سے کہا کہ پہلے کھانے کے کمرے کی سیر کیجیے کمرہ نہایت وسیع اور خوشنما تھا۔ اور دو تین میزیں اور کثرت سے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کھانے کا طریقہ اگرچہ قسطنطنیہ اور شام کے موافق تھا یعنی چار چار شخصوں کے آگے ایک ایک پلیٹ تھی چھری کانٹے بالکل نہ تھے تاہم مجھ کو تعجب بلکہ حیرت ہوئی کہ لڑکے اس خوبی اور صفائی سے کھاتے تھے کہ انکے ہاتھ مطلق نہیں بھرتے تھے۔ نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ تھا۔ آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ لیکن شور وغل کا کیا ذکر ہے۔ گونج تک نہ تھی دریافت سے معلوم ہوا کہ مدرسے کے افسروں میں سے دو ایک ہمیشہ طالبعلموں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اور ہر ہفتہ میں کھانا کھانے کی تہذیب شائستگی پر لکچر دیا جاتا ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے والے

مصر میں مدت سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر سال سلطنت کیطرف سے چند طالب علم تکمیل تعلیم کے لئے یورپ بھیجے جاتے تھے یہ تعداد اس مناسبت سے ہوتی تھی کہ ہمیشہ تیس طالب علم یورپ میں موجود رہتے تھے سفر اور وہاں کے قیام کا۔ تمام صرف گورنمنٹ مصر کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے یہ مصارف برداشت کیے۔ لیکن بدقسمتی سے گورنمنٹ اور ملک کو ایک مدت تک کچھ فائدہ نہ پہنچا جو لوگ تعلیم پاکر آئے ان میں (ہمارے ہندوستان کیطرح) بہت کم ایسے نکلے جو کسی فن میں کامل ہوں۔ یا انکی ذات سے ملک کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکے آخر سررشتہ تعلیم کے افسر نے اسپر توجہ کی اور غور وتحقیق کے بعد اس نقصان کے اسباب دریافت کیے جن میں سے ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لڑکوں کے انتخاب میں غلطی ہوتی تھی۔ اکثر بڑی عمر کے لڑکے بھیجے جاتے تھے اور چونکہ ابتدائی تعلیم وتربیت عمدہ نہیں ہوتی تھی۔ یورپ کی تعلیم وتربیت کا اثر ان پر بہت کم پڑتا تھا۔ اسوقت سے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ آئندہ سے جو لڑکے

بھیجے جائیں اُن کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہو اسمیں ایک یہ مشکل تھی - کہ مذہب اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا - چنانچہ اسکے لئے یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ چند علما طالبعلموں کیساتھ جائیں جو عربی زبان اور مذہب کی تعلیم دیتے رہیں - یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوا اور چونکہ ملک نے ان طالب علموں کی عمدہ مثالیں دیکھیں لوگ اپنی اولاد کو اپنے صرف سے بھیجنے لگے - یہانتک کہ سنہ ۱۸۸۸ء میں جسقدر لڑکے یوروپ میں تعلیم پاتے تھے - اُنمیں ۲۵ - گورنمنٹ کیطرف سے اور ۲۵ خود اپنے صرف سے تعلیم پاتے تھے سنہ ۱۸۸۸ء میں جسقدر طالب علم یوروپ میں موجود تھے اور جن علوم میں ان کی تعلیم ہوتی تھی - اُنکی تفصیل یہ ہے -

حکومت کے صرف سے	اپنے خاص صرف سے	جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے
۵	۱۷	بیرسٹری
۴	۱۲	ڈاکٹری
۱	*	امور مالیہ
۳	*	معلمی یا پروفیسری
*	۲	زراعت
۱	*	بیرسٹرے کیلئے تیاری
*	۱	ٹیکنیکل کالج کے لئے تیاری

ان میں سے ۳ طالب علموں نے جو سلطنت کیطرف سے وظیفہ پاتے تھے نہایت اعلے درجے کی ڈگریاں حاصل کیں - ایک ان میں رشدی طپوزادہ تھا جس کو بیرسٹری میں ڈگری کی سند ملی - ایک لڑکا جسکا نام اسمٰعیل آفندی تھا اور فرانس کے کالج میں پروفیسری کی تعلیم پاتا تھا - طبیعات کے امتحان میں تمام کالج میں اسکا دسواں نمبر رہا حالانکہ کل امیدوار جو امتحان میں شریک تھے ۱۵۲ تھے اور سب فرانس کے رہنے والے تھے

ایک اور لڑکا جسکا نام عبد اللہ تھا اس نے پولیٹیکل اکانمی میں سب سے اول درجے کا انعام حاصل کیا۔ ان طالب علموں کے سوا چند اور طالب علم انگلستان۔ اٹلی جرمن میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ہُکوں کے بنانے کا کام سیکھتے ہیں اور ان سب کا خرچ گورنمنٹ مصر ادا کرتی ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے کے متعلق ۱۸۹۰ء کی رپورٹ میں ڈائرکٹر تعلیم نے ایک نہایت مفید اور مدلل تقریر لکھی ہے اسمیں اہل ملک سے خطاب کیا ہے۔ کہ اگر وہ لوگ چند خاص باتوں کا لحاظ نہ رکھینگے تو یوروپ کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ مدت دراز کے تجربے سے ثابت ہو چکا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یا تو نہایت کم عمر کے لڑکے بھیجنے چاہئیں جو ابتدا سے لیکر انتہا تک یورپ ہی میں تعلیم پائیں یا اگر بڑی عمر کے ہوں تو ضرور ہے کہ یورپ جانے سے پہلے ایف اے کی سند حاصل کر چکے ہوں۔ ہمارے ہندوستان میں بھی یہ عام شکایت ہے کہ یوروپ کی تعلیم میں جو مصارف کثیر برداشت کئے جاتے ہیں۔ ان کا کافی صلہ نہیں ملتا۔ یہ شکایت بالکل سچ ہے اور غالباً اسکی وہی وجہ ہے جو مصر کے ڈائرکٹر تعلیم نے بیان کیا۔

قدیم تعلیم
و
جامع ازہر

یہاں کی قدیم تعلیم۔ دوسرے لفظوں میں جامع ازہر کی تعلیم ہے۔ اس لئے قدیم تعلیم کی کیفیت بیان کرنے کے لئے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں۔ یہ وہی جامع ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ کل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی نہیں ہے یہ ایک جامع مسجد ہے اور قاہرہ میں سب سے پہلے مسجد جو تعمیر ہوئی ہے وہ یہی۔ فاطمیین مصر میں سے خلیفہ المعز الدین اللہ کے ایک غلام نے جو سسلی کا رہنے والا

تھا۔ اور اپنی قابلیت خداداد سے دولت فاطمہ کا دست و بازو بن گیا تھا ۳۵۹ھ ہجری میں اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ھ ہجری میں انجام کو پہنچی ۳۷۸ھ ہجری میں خلیفہ عزیز باللہ نے مسجد سے متصل طالبعلموں کے لیئے کچھ مکانات بنوائے اور ۳۵ طالبعلموں کے لیئے وظیفہ مقرر کیا۔ حاکم بامراللہ نے ۴۰۰ھ ہجری میں مسجد کی عمارت میں تجدید کی اور اس کے مصارف کے لیئے ۷۱۶ دینا منافع سالانہ کی جائیداد وقف کی ۷۶۱ھ ہجری میں امیر طواشی نے یتیموں کے لیئے ایک خاص مکتب قائم کیا۔ اور اسکے ساتھ عام طلباء مسجد کے لیئے بہت سی جائیدادیں وقف کیں۔ رفتہ رفتہ بہت بڑا دارالعلم بنگیا یہاں تک کہ ۸۱۸ھ ہجری میں اسکے طالبعلموں کی تعداد ۷۵۰ سے متجاوز تھی جس میں ہر ملک اور ہر قوم کے اشخاص تھے اور آج تو یہ حالت ہے کہ کثرت طلبا کے لحاظ سے تمام دنیا کی کوئی یونیورسٹی اسکی ہمسری نہیں کرسکتی کم و بیش چار یا پنج ہزار طالب علم خود مسجد میں سکونت رکھتے میں۔ بہت سی باہر کی مسجدوں میں رہتے ہیں۔ لیکن کھانا یہیں سے ملتا ہے۔ غرض ہر قسم کے طلباء کی تعداد جن کو جامع ازہر سے تعلق ہے بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ ہر ملک کے طالب علموں کے لیئے الگ بالاخانے ہیں جنکو یہاں رواق کہتے ہیں۔ بہت سے طالب العلم بلکہ کثرت سے ایسے ہیں۔ جنکے لئے مکان یا حجرہ کچھ بھی نہیں۔ مسجد کے صحن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹی چھوٹی الماریاں اوپر تلے چنی ہیں۔ یہی انکے توشے خانے ہیں۔ جن میں وہ اپنے کپڑے اور ضروری اسباب رکھتے ہیں۔ سونے بیٹھنے کے لیئے مسجد کا تمام صحن پڑا ہوا ہے۔ اول اول جب میں اس مسجد کی زیارت کے لیئے گیا تو دور سے گونج کی آواز آئی اندر داخل ہوا تو ہر طرف طالبعلم ہی طالب علم نظر آتے تھے۔ جابجا مدرسین درس دے رہے تھے اور ایک ایک کے گرد تیس تیس چالیس چالیس کا مجمع تھا۔ یہ حلقے تیس چالیس سے کم نہ تھا اور بعض

پاس پاس تھے۔ اسلیئے اسقدر شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مجھکو خیال ہوا کہ آج کوئی خاص دن ہے اور اس سبب سے کثرت سے طلبا جمع ہوگئے ہیں۔ لیکن دو چار روز رہکر یہ معلوم ہوا کہ یہ معمولی حالت ہے مجھکو خیال ہوا کہ اس ہنگامہ میں جمعیت خاطر ایک طرف مدرسین کی آواز بھی طالب العلم کے کان تک پہنچتی ہے یا نہیں۔

جن جن ملکوں مثلاً شام۔ مغرب۔ جزیرہ۔ عراق۔ بخارا۔ خراساں۔ افغانستان ہندوستان وغیرہ کے طالب العلموں کے لیئے رواق بنے ہیں وہاں کے لوگ ہمیشہ سوداگروں کے ذریعے سے سالانہ کچھ رقم بھیجتے ہیں جو ان طلبا کو جیب خرچ کے طور پر دیا جاتی ہے۔ معمولی کھانا خود ازہر سے ملتا ہے۔ لیکن چونکہ صرف روٹیاں ملتی ہیں اسلیئے سالن کا اہتمام انکو خود کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے طلبہ جنکو چار چار پانچ پانچ روٹیاں ملتی ہیں۔ نان بائی کو دو تین روٹیاں دیکر اسکے بدلے سالن لے لیتے ہیں اور اسطرح ان کے جیب خرچ پر چنداں بار نہیں پڑتا۔ روٹیوں کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ وقت معین پر طلبا کا ایک گروہ بازار میں (جو مسجد کے سامنے ہے) دو رویہ صف باندھکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں۔ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے اور یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک قائم رہتا ہے۔ طالب علموں کے ہاتھوں میں کوئی تولیہ یا رومال نہیں ہوتا جسطرح بھیک منگی جو کچھ ملتا ہے۔ ہاتھ پھیلا کر لیتے ہیں ان طالب علموں کا بھی یہی حال ہے۔

مُدرسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ مدرس اول جو شیخ ازہر کہلاتا ہے۔ اور جسکی تنخواہ چھ سات سو ماہوار سے کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے یہانتک کہ خود حکومت اُسکا پاس کرتی ہے۔ اس مدرسے کا مجموعی خرچ دو تین لاکھ روپیے سالانہ سے کم نہیں ۱۸۹۴ء میں علاوہ اس رقم کے سررشتہ تعلیم سے دو لاکھ

سالانہ کی رقم اور منظور ہوئی۔

مجھ کو اپنے تمام سفر میں جسقدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا کسی چیز سے نہیں ہوا۔ ایک ایسا دارالعلوم جسمیں دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان جمع ہوں جسکا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہ ہو۔ جسکے طالبعلموں کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو۔ انکی تعلیم و تربیت سے کیا کچھ امید نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لاکھوں مسلمان کو برباد کرچکا ہے اور کرتا جاتا ہے۔ تربیت و معاشرت کا جو طریقہ ہے اور جسکا میں ابھی ذکر کرچکا ہوں اُس سے خوصلہ مندی۔ بلند نظری جوش ہمت غرض تمام شریفانہ اوصاف کا استیصال ہوجاتا ہے۔ میں نے یہاں ایسے طلبا دیکھے ہیں۔ جنکے عزیز اور نہایت قریب عزیز (چچا۔ ماموں وغیرہ) خود اسی شہر میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ہیں اور انکی تمام ضروریات کے متکفل بھی ہیں۔ تاہم چونکہ یہ طلبا ازہر میں رہتے ہیں۔ اسلئے انکو عام بازار میں ہاتھ پھیلا کر روٹیاں لینے میں ذرا شرم نہیں آتی۔ طالب علموں کی دنارت اور پست حوصلگی کا یہ حال ہے۔ کہ بازار میں پیسے کی ترکاری خریدتے ہیں تو کنجڑے کو قسم دلاتے جاتے ہیں کہ بسرّ اسّ سیدنا الحسین یعنی تجھ کو امام حسین کے سر کی قسم واجبی قیمت بتانا۔ کیا اس قسم کے تربیت یافتہ لوگوں سے یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ اسلام کی عظمت و شان بڑھائینگے؟

ہمارے ملک میں اتفاق سے جو مدرسے ہیں انکی سیرا انہی سے بھی گیا گذرا ہے۔

اس سے زیادہ تر افسوس تعلیم کی ابتری کا ہے۔ یہاں مستقل اور اصلی طور پر صرف فقہ۔ و نحو کی تعلیم ہوتی ہے اور دونوں کے لئے آٹھ آٹھ برس مقرر ہیں۔ منطق فلسفہ ریاضی اور دیگر علوم عقلیہ تو گویا درس میں داخل ہی نہیں۔ اصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث ادب۔ معانی۔ بیان کی تعلیم ہے۔ لیکن اسقدر کم ہے کہ اتنے بڑے دارالعلم کے کسی طرح شایاں نہیں۔ نحو اور فقہ جسپر ایک عمر صرف کیجاتی ہے۔ ان کی تعلیم بھی

محققانہ اور مجتہدانہ نہیں ہوتی - کافیہ وغیرہ کی شرحیں - شرحون کے حواشی اور حواشی کے حواشی پڑہائے اور یاد کرائے جاتے ہیں - شیخ طبان جال ہیں ایک بزرگ گزرے ہیں - انکی ایک شرح ہے - اس شرح کو اس قدر مہتم بالشان سمجھا گیا ہے کہ اس کی شرحین اور شرحوں کے حاشیے درس میں داخل ہیں - اور اس تمام سلسلہ کا ضبط و حفظ کرنا بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے - چونکہ مینے خود ازہر میں قیام کیا تھا - اکثر طلبا سے صحبت رہتی تھی میں ان کو نہایت معمولی ناقابل التفات جزئی بحثوں میں مصروف دیکھتا تھا - اور افسوس کرتا تھا - اسی لغو طریقہ تعلیم کا اثر ہے کہ ایک مدت سے ازہر نے کوئی قابل قدر عالم اور مصنف نہیں پیدا کیا - مینے طلبا سے دریافت کیا کہ شیخ ازہر جو اُستاد الکل خیال کئے جاتے ہیں - انکی کوئی تصنیف بھی ہے - انہوں نے بڑے فخر سے کہا کہ ہاں صبان پر بڑے معرکے کے حاشیہ لکھے ہیں -

زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم کسی اصول پر نہیں ہے نہ صف بندی ہے - نہ کوئی خاص نصاب ہے - نہ امتحان ہوتا ہے نہ ترقی پانے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہے افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان ابتریوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں - علی پاشا مبارک نے جو ایک زمانے میں رشتہ تعلیم کا افسر تھا کچھ اصلاح کرنی چاہی تھی - اس پر ازہر کے تمام علما اسکے دشمن بن گئے اور چونکہ شیخ ازہر کا اثر طلبا پر منحصر نہیں بلکہ تمام ملک اسکو مذہبی پیشوا تسلیم کرتا ہے - اسلئے پاشائے موصوف کو اغماض کرنا پڑا - ازہر حقیقت میں ایک ملکی طاقت ہے، اور خود سلطنت اسکی مخالفت پر باسانی جرأت نہیں کر سکتی -

کتب خانہ خدیویہ

یہ نہایت عالیشان کتبخانہ ہے - اور ترتیب و خوش اسلوبی - زیب و زینت حسن انتظام خوبی عمارت میں قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے - عمارت نہایت شاندار

وسیع ہے اور مختلف حصوں میں منقسم ہے - ایک حصہ سیر و مطالعہ کے لئے مخصوص ہے
اس میں تین بڑے بڑے کمرے ہیں - ایک کمرے میں بہت بڑی لمبی میز ہے جس پر
رجسٹر اور فہرست کی جلدیں چنی ہیں - ایک کمرہ مطالعہ - اور ایک نقل و کتابت کیلئے
خاص ہے جو شخص کوئی کتاب لینی چاہتے افسر کتب خانہ اسکو ایک چھپا ہوا کارڈ دیتا ہے
کارڈ میں مفصلہ ذیل عنوان ہوتے ہیں - کتاب لینے والے کا نام مع تصریح سکونت
پیشہ - ضامن کا نام (اجنبی شخص کو بغیر ضمانت کے کتاب نہیں ملسکتی) کتاب کا نام اور فن
اور یہ تصریح کہ کتاب مطالعہ کے لئے لیتا ہے - یا نقل کے لئے - تعداد ایام - یہ کارڈ
خانہ پری کر کے ملازم کتبخانہ کو حوالہ کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب مطالعہ
یا نقل کرنے کے کمرے میں آجاتی ہے - یہ طریقہ اگرچہ حسن انتظام کی دلیل ہے - لیکن
دقت سے خالی نہیں -

کتابیں جہاں رکھی - وہ بالکل جداگانہ قطعہ ہے جسمیں متعدد کمرے ہیں - ایک کمرہ
جو نہایت وسیع ہے اسمیں نہایت پُر تکلف ٹرکی قالین بچھا ہے - چاروں طرف دیوار
سے ملی ہوئی آئینہ دار الماریاں ہیں - بیچ میں آئینہ دار میزیں ہیں - جنکے اندر قلمی
اور نایاب کتابیں کھلی ہوئی رکھیں ہیں - ان میں ایک قرآن ہے جو ہرن کے
چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے ہاتھ کا
لکھا ہوا ہے - اُس کے سوا قرآن مجید کے اور نادر نسخے ہیں جو سلاطین مصر نے
آٹھویں اور نویں صدی میں وقف کئے تھے -

یہ کتب خانہ ۱۲۸۶ھ میں قائم ہوا - اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ قاہرہ و اسکندریہ
وغیرہ میں اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے وقفی کتب خانے تھے اور چونکہ ان کی
حفاظت کا کافی انتظام نہ تھا - کتابیں ابتر اور ضائع ہوتی جاتی تھیں - اس لحاظ
سے علی پاشا ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی رپورٹ پر یہ کتبخانہ قائم کیا گیا اور تمام قدیم

کتب خانوں کی کتابیں اسمیں داخل کر دی گئیں - خدیو کے حکم سے علمائی ایک مجلس قائم ہوئی جسکا یہ کام تھا کہ عمدہ اور نادر کتابوں کا پتہ لگائے تاکہ ان کی نقلیں لکھواکر کتب خانے میں داخل کی جائیں - جب کتابوں کا ایک معتد بہ ذخیرہ جمع ہوگیا - تو خدیو نے فہرست کی تیاری کا حکم دیا چنانچہ سنہ ۱۳[illegible]ھ میں یہ فہرست شروع ہو کر سنہ ۱۳۰۹ھ میں انجام کو پہنچی - یہ فہرست آٹھ جلدوں میں ہے اور صرف عربی کتابوں کی ہے - ترکی - اور فرنچ و انگریزی کتابوں کی جدا فہرستیں ہیں -

نقشۂ ذیل سے عربی کتابوں کے متعلق ایک اجمالی اطلاع حاصل ہوگی

نام فن	تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب
مصاحف مجید	۱۶۱	حدیث	۱۵۰۴
علم قرأت	۸۵	توحید	۵۶۳
تفسیر	۶۴۷	تصوف	۷۰۵
مواعظ	۳۰۷	الفوائد والادعیة	۶۴۴
اصول فقہ	۲۳۵	آداب البحث	۲۰۸
فقہ حنفی	۱۴۵۱	فقہ مالکی	۲۳۷
فقہ شافعی	۵۲۰	فقہ حنبلی	۱۲۶
علم الفرائض	۱۳۸	علم صرف	۲۳۸
نحو	۱۰۲۹	بلاغة	۳۸۵
علم الوضع	۱۸	علم اللغة	۱۶۰
عروض و القوافی	۶۸	علم ادب	۱۲۴۹
تاریخ	۱۱۸۴	ریاضی	۱۸۸
علم الهیئة	۱۹	علم المیقات	۴۵۵

علم الحروف والاسماء	۱۸۵	الکیمیا والطبیعۃ	۸۶
طب	۶۴	منطق	۲۵۶
حکمت وفلسفہ	۱۲۴	فنون متنوعہ	۱۰۹۶

میزان کل - - - - - - ۱۴۷۰۵

یہاں موقع پر بعض نادر اور نایاب کتابوں کے نام درج کرتا ہوں جو اس کتبخانہ میں موجود ہیں

تفسیر - احکام القران لابی بکر الجصاص المتوفی سنہ ۳۷۰ھ احکام القران لابن العربی - احکام القرآن لکیا الہراسی المتوفی سنہ ۵۰۴ھ اعراب القرآن للنحاس النحوی المتوفی سنہ ۳۳۸ھ اعجاز القرآن للباقلانی - البحر المحیط لابن حیان الاندلسی - البرہان للشیخ ابی الحسن الواحدی المتوفی سنہ ۴۶۸ھ فی عشر مجلدات - البسیط للواحدی - تنزیہ القرآن للقاضی عبد الجبار المعتزلی - جامع البیان فی تاویل القرآن لمحمد بن جریر الطبری - ۲۱ مجلدات تفسیر ابن جوزی ۴ مجلدات - تفسیر حافظ عبد الرزاق بن ہمام المتوفی سنہ ۲۱۱ھ غریب القرآن للسجستانی المتوفی سنہ ۳۳۰ھ - غریب القرآن لاحمد بن محمد الہروی المتوفی سنہ ۴۰۱ھ غریب القرآن لابن الشحنۃ - قانون التاویل للقاضی ابی بکر ابن العربی الاندلسی المتوفی سنہ ۵۴۳ھ الکفیل بمعنی التنزیل للعماد الکندی قاضی اسکندریہ - المتوفی سنہ ۷۲۰ھ -

حدیث الاحکام الکبری لعبد الحق الاشبیلی - اختلاف الحدیث للامام الشافعی آداب للامام الحافظ البیہقی - جامع المسانید والقاب لابن الجوزی - الجوہر النقی - الحاوی فی بیان آثار الطحاوی - سنن کبری بیہقی - شرح معانی الآثار للعینی - مسند امام حنبل مسند امام راہویہ - مسند حافظ ابی عوانۃ - مسند حافظ ابو عبد اللہ المروزی - مسند حافظ ابو نعیم

تاریخ - احاطہ فی اخبار غرناطہ - اخبار ابی نواس عدد اوراقہا ۱۲۰ - اخبار سیبویہ النحوی اوراقہا ۶۳ - الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ - اوراق صولی ناقص تاریخ دمشق لابن عساکر ناقص - تاریخ بغداد خطیب ناقص - تاریخ الحکما لجمال الدین قفطی

طبقات الامم لصاعد الاندلسی سلم الوصول الی طبقات الفحول لمصنف کشف الظنون۔
السہم المصیب فی الرد علی الخطیب طبقات الحفاظ للذہبی۔ طبقات کبریٰ سبکی۔ طبقات الشافعیۃ
طبقات الشعراء لابن قتیبہ۔ طبقات الفقہاء امام ابو اسحٰق شیرازی۔ طبقات ابن سعد
تاریخ عینی۔ طبقات حملۃ المذہب لابن الملقن۔ فضائل ابی بکر الصدیق لابن الغشاری
من اصحاب القرن الخامس۔ فضائل ابی حنیفۃ النعمان لابن العوام۔ فضائل مصر لابی
یوسف الکندی المتوفی سنہ ۳۵۰ھ۔ منقول من نسخۃ الاصل الکتبۃ لکافور الاخشیدی۔
اللباب فی الانساب لابن الاثیر۔ مناقب الشافعی مختصر المنتظم لابن الجوزی واختصار
الیضالہ۔ مسالک الامصار لابن فضل اللہ۔

مناقب الامام الشافعی للرازی۔ مناقب امام احمد حنبل لابن الجوزی۔ سیرۃ
الفاروق لابن الجوزی۔ المنتظم لابن الجوزی۔ نہایۃ الارب للنویری ناقص۔

ادب۔ الاشباہ والنظائر۔ البیان والتبیین للجاحظ جمہرۃ اشعار العرب ابن
درید حماسۃ البصریین۔ دیوان حافظ ابن حجر۔ دیوان ابن الرومی۔ دیوان ابن المعتز۔
دیوان ابی نواس۔ دیوان الاعشی۔ ذوالرمۃ دیوان قطامی۔ دیوان قیس بن الخطیم۔
دیوان لبید۔ دیوان المتلمس۔ روضۃ البلاغۃ۔ النواہر للرجاجی۔ شرح ابن جنی علی المتنبی۔
شرح دیوان ابی تمام للصولی المتوفی سنہ ۳۳۵ھ شرح دیوان جران العود للامام السکری المتوفی سنہ
شرح دیوان حطیئۃ۔ شرح مرزوقی علی الحماسہ۔ شرح الحماسہ لابی العلاء المعری۔ شرح
دیوان حماسہ لابن جنی۔ شرح دیوان خرنق وہی شاعرۃ جاہلیۃ۔ شرح دیوان زہیر بن
ابی سلمی للامام ثعلب۔ شرح دیوان زہیر للاعلم الشنتمری۔ شرح عبید اللہ بن قیس الرقیات
السکری۔ شرح دیوان المثقب العبدی وہو جاہلی۔ شرح المعلقات لابن النحاس
شرح المفضلیات لابن الانباری۔ دیوان سراقہ بن مرداس۔ دیوان شماخ۔ دیوان عمر
بن ابی ربیعۃ۔ شرح دیوان رؤبۃ۔ شرح دیوان العجاج۔ دیوان ذوالدمشق۔

قدیم یادگاریں اور قابل سیر مقامات

آثار قدیمہ کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ سچ یہ ہے۔ کہ یہاں کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے۔ سواد شہر کے ویرانوں میں اسوقت تک سیکڑوں خزف ریزے ملتے ہیں جن پر کئی کئی ہزار قبل کے حروف و نقوش کندہ ہیں۔ مجھ کو اتنا وقت بلکہ سچ یہ ہے کہ اتنی ہمت کہاں تھی کہ تمام قدیم یادگاروں کی سیر کرتا۔ البتہ چند مشہور مقامات دیکھے اور انہی کے حال پر اکتفا کرتا ہوں۔

اہرام۔ یہ وہ قدیم مینار ہیں۔ جنکی نسبت عام روایت ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھے۔ اور اس قدر تو قطعی طور سے ثابت ہے کہ یونان کی علمی ترقی سے انکی عمر زیادہ ہے۔ کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف میں اسکا ذکر کیا ہے۔ یہ **مینار** نہایت کثرت سے تھے یعنی دو دن کی مین پھیلے ہوئے تھے۔ صلاح الدین کے زمانے میں اکثر ڈھا دئے گئے۔ ان میں سے جو باقی رہے گئے ہیں اور جن پر خاص طور سے اہرام کا اطلاق ہوتا ہے صرف تین ہیں۔ جو سب سے بڑا ہے اسکی لمبائی ۴۸۰ فیٹ یعنی قطب صاحب کی لاٹ سے دگنی ہے۔ نیچے کے چبوترہ کا ہر ضلع ۷۶۴ فیٹ ہے مینار کا ملعب ۸ کروڑ نوے لاکھ فیٹ ہے اور وزن ۶۸ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن۔ اسکی تعمیر میں ایک لاکھ آدمی بیس برس تک کام کرتے رہے۔ جڑ میں ۳۰-۳۰ فیٹ لمبے اور ۵-۵ فیٹ چوڑے پتھر کی چٹانیں ہیں۔ اور چوٹی پر جو چھوٹی سے چھوٹی ہیں ۸ فیٹ کی ہیں۔ اسکی شکل یہ ہے۔

ایک نہایت وسیع مربع چبوترہ ہے۔ اسپر ہر طرف سے کسیقدر سطح چھوڑ کر دوسرا چبوترہ ہے۔ اسیطرح چوٹی تک۔ اوپر تلے چبوترے ہیں اور ان چبوتروں کے بتدریج چھوٹے ہوتے جانے سے زینوں کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ پتھروں کو

اسطرح شمول کی بہ آسانی یاد رکھا معلوم ہوتا تو ایک طرف چونہ یا مصالح کا بھی اثر نہیں معلوم ہوتا - باوجودیکہ انکا یہ حال ہے کہ کئی ہزار برس ہو چکے - اور جاڑوں میں پالا پڑا برفباری ہوئی بارشیں ہوئیں آندھیاں آئیں - ان میناروں کو دیکھکر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے - کہ جر ثقیل کا فن قدیم زمانہ میں موجود تھا - کیونکہ اسقدر بڑے بڑے پتھر اتنی بلندی پر بدون جر ثقیل کے پہنچائے نہیں جا سکتے اور اگر اس ایجاد کو زمانہ حال کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو بدون جر ثقیل کے کسی بڑی کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑیگا ۔

ان میناروں میں ایک سب سے چھوٹا ہے کسیقدر خراب ہو گیا ہے جسکی کیفیت یہ ہے کہ ۵۹۳ ہجری میں ملک العزیز پسر سلطان صلاح الدین نے بعض احمقوں کی ترغیب سے اسکو ڈھانا چاہا تھا - چنانچہ دربار کے چند معزز افسر اور بہت سے نقیب اور سنگتراش اور مزدور اس کام پر مامور ہوئے - آٹھ مہینے تک برابر کام جاری رہا اور نہایت سخت کوششیں عمل میں آئیں - ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کر دئیے گئے - لیکن بجز اس کے کہ اوپر کی استرکاری خراب ہوئی یا کہیں کہیں سے ایک آدھ پتھر اکھڑ گیا - اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا آخر مجبور ہو کر ملک العزیز نے یہ ارادہ چھوڑ دیا[1] ۔

اہرام کے قریب ایک بہت بڑا بت ہے جسکو یہاں کے لوگ ابوالہول کہتے ہیں - اسکا سارا دھڑ زمین کے اندر ہے - گردن اور سر اور دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں تمام چہرہ پر کسی قسم کا سرخ روغن ملا ہے جسکی آب اسوقت تک قایم ہے - ان اعضا کی مناسبت سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ پورا قد ساٹھ ستر گز سے کم نہ ہوگا - باوجود اس غیر معمولی درازی کے تمام اعضا ناک کان چہرہ اس ترتیب اور مناسبت سے بنائے ہیں کہ اعضا کے باہمی تناسب میں بال برابر کا فرق نہیں - عبداللطیف بغدادی سے کسی شخص نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے عجیب تر کیا چیز دیکھی آپ نے کہا کہ ابوالہول کے اعضا کا تناسب

(۱) اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی نے مصر کی تاریخ میں افسوس کے ساتھ درج کیا ہے ۱۲

کیونکہ عالم قدرت میں جس چیز کا نمونہ موجود نہیں اسمیں ایسا تناسب قائم رکھنا آدمی کا کام نہیں۔

قلعہ ۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین کے عہد کا ہے۔ قلعہ کی اصل عمارت میں نہیں دیکھ سکا۔ البتہ محمد علی پاشا کی مسجد دیکھی۔ بڑی شان و شوکت کی ہے۔ چھت اور دیوارو پر طلائی نقش و نگار ہیں۔ تمام مسجد میں نہایت عمدہ ترکی قالین کا فرش ہے مسجد کے قریب و عجیب و غریب کنواں ہے جسکو عوام نے چاہ یوسف اور زندانِ یوسف مشہور کر رکھا ہے اور لوگ اُسکی زیارت کو جاتے ہیں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین کا اصل نام **یوسف** تھا۔ اسلئے مجاوروں کو عوام کے بہکانیکا اچھا ذریعہ ہاتھ آگیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس میں ایک قبر بنا رکھی ہے اور اُسکو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاتی ہیں۔ مجاور صاحب نے مجھکو بھی دھوکہ دینا چاہا اور جب میں نے کہا کہ حضرت یوسف یہاں کہاں ؟ تو برجستہ فرمایا کہ " مجھکو سہو ہوا یہ اُس قیدی کی قبر ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ میں داخل ہوا تھا اور اُن سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی۔

یہ کنواں درحقیقت عجیب و غریب اس کے عمق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ (٣٠٠) سیڑھیاں اُتر کر اسکی جگت ملتی ہے سیڑھیاں بڑے کج و پیچ سے بنائی گئی ہیں اور راستہ اسقدر تاریک ہے کہ بغیر شمع کے کچھ نظر نہیں آسکتا۔ چنانچہ جو لوگ اُسکی سیر کو جاتے ہیں۔ مجاور شمع لیکر اُنکے ساتھ ہوتا ہے۔ جگت پر پہنچکر میں نے کنکری پھینکی تو دیر کے بعد اُسکی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ پانی بہت فاصلہ پر ہے۔

انتیک خانہ یعنی عجائب خانہ۔ یہ عجائب خانہ محمد علی پاشا خدیو مصر نے سنہ ۱۸۳۵ء میں قائم کیا۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سرکاری باغ ہے جو کئی میل لمبا چوڑا ہے عجائب خانہ اسی میں واقع ہے۔ اسمیں بیشمار کمرے ہیں اور نہایت خوبصورتی سے مرتب ہیں یہاں حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے کی یادگاریں موجود ہیں۔ تشتریاں پیالے مرتبان۔ اور

اس قسم کے سیکڑوں برتن ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں۔ سب سے عجیب و غریب وہ لاشیں ہیں جنپر ہزاروں برس گزر چکے اور ابتک اصلی ہیئت کے ساتھ قائم ہیں اُن کو عربی میں مومیائی اور انگریزی میں ممی کہتے ہیں۔ قدیم مصریوں کا دستور تھا کہ لکڑی یا پتھر کو کشتی کی وضع پر تراشکر اُس میں مردوں کی لاشیں رکھتے تھے۔ اور خالی جگہ کو چونہ وغیرہ سے بھر کر اوپر کی سطح پر مردہ کی تصویر بنا دیتے تھے۔ لاشوں میں ایک خاص قسم کا مصالحہ لگایا جاتا تھا جسکی وجہ سے بدن سڑنے گلنے سے محفوظ رہتا تھا۔ اس قسم کے بہت سے تابوت یہاں موجود ہیں اور انہی کو مومیائی یا ممی کہتے ہیں۔ انمیں سے دو یا تین تابوت کھل گئے ہیں یعنی اوپر کا چونہ اور مصالحہ ہٹ گیا ہے اور اس وجہ سے تمام جسم صاف نظر آتا ہے۔ میں نے بہت غور سے ان لاشوں کو دیکھا۔ باوجود ہزاروں برس گزرنے کے جسم پر بوسیدگی کا ذرا بھی اثر نہیں۔ سر کے بال اور ناخن بدستور قائم ہیں۔ ان کو دیکھکر دلپر عجیب تاثیر ہوتی ہے اور درحقیقت ان سے بڑھکر عبرت کا مرقع اور کیا ہوگا؟

سجن یوسف یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدخانہ۔ یہ وہی قیدخانہ ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے اور جو حضرت یوسفؑ کے جمال مبارک کی وجہ سے رشک ارم تھا۔

شعر

درچمن بود زلیخا بحسرت می گفت ۔۔۔ یاد زندان کہ درو انجمن آرائے ہست

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ "صحیح روایات اور قرائن سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف جس قیدخانہ میں قید ہوئے تھے وہ یہی مقام ہے"۔ مجھ کو سخت افسوس ہے کہ میں اس عبرت انگیز اور متبرک مقام کی سیر نہ کرسکا۔ میں نے اسکا تذکرہ صرف اسوجہ سے کردیا ہے کہ ہمارے ہموطنوں میں سے خدا کسی کو یہاں پہنچائے تو میری طرح اسکی زیارت سے محروم نہ رہے۔

اسلامی قدیمی یادگاریں بھی یہاں کثرت سے ہیں۔ مسجدوں کی تو کچھ انتہا نہیں سیکڑوں

بلکہ ہزاروں ہیں۔ ان میں سب سے قدیم جامع عمرو بن العاص ہے جو حضرت فاروقؓ کے عہد خلافت کی یادگار ہے۔ مشہد حسین ایک مسجد ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک اسمیں مدفون ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ روایت کہانتک صحیح ہے لیکن یہاں کے عام لوگ اسی بناپر مسجد کا نہایت احترام کرتے ہیں۔ حکومت کیطرف سے بھی اسکے لئے بڑا اہتمام ہے۔ شاندار وسیع اور خوبصورت مسجد ہے۔ اسپر تکلیف اور سازو سامان نے اور بھی اسکی رونق بڑہا دی ہے۔ تمام مسجد میں ترکی قالین بچھا ہوا ہے اور غالباً بہت جلد جلد بدلا جاتا ہے۔ کیونکہ میں نے جب دیکھا تو کہنگی اور فرسودگی کا مطلق اثر نہ تھا۔

سب سے زیادہ عجیب و غریب مسجد۔ سلطان حسن کی مسجد ہے جو قلعہ کے قریب ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں متصل تین برس تک بیس لاکھ درہم (پانچ ہزار روپے) روزانہ صرف ہوئے۔ ۷۵۷ھ میں اسکی تعمیر شروع ہوئی اور ۷۶۰ھ میں انجام کو پہنچی۔ اسکو مدرسہ سلطان حسن بھی کہتے ہیں کیونکہ اسکے چارطرف بڑے بڑے ایوان ہیں جنمیں ائمہ اربعہ کے فقہا فقہ و حدیث کا درس دیتے ہیں۔ مورخ مقریزی نے لکھا ہے کہ "تمام ممالک اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اسکے مثل تعمیر نہیں ہوئی"۔ اگرچہ میں اس دعوے کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ دنیا کی کوئی مسجد اسقدر بلند اور مرتفع نہیں ہے افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ایسی عجیب و غریب یادگار بالکل ویران ہو رہی ہے رات کو اسمیں چراغ تک نہیں جلتا۔ اور دروازہ ہروقت بند رہتا ہے۔ میں دروازہ کھلوا کر اندر گیا تو ہر طرف وحشت برستی تھی۔ اسلامی سلطنت میں ایسی عظیم الشان مسجد کی یہ بے قدری نہایت قابل تعجب ہے *

مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور انکے مصارف کیلئے بہت سے اوقاف ہیں حضرت زینب (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثومؓ۔ امام شافعیؓ۔ امام

لیث رضہ کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں۔ میں نے امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کی۔ اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا۔ لیکن وہاں پہنچکر جو حالت دیکھی اُس سے طبیعت کو وحشت ہوئی اور متاسف ہو کر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن قرار دے رکھے ہیں جنمیں اُن کے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؓ امام شافعیؒ وغیرہ کی روحیں عالم بالا سے اپنے مزارات کیطرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ان خاص دنوں کو **حضرۃ** کہتے ہیں اور جسکے حضرۃ کا جو دن ہوتا ہے اُس دن اُن کے مزار پر بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔ کثرت سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اُسوقت لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے اُسمیں شرک بت پرستی میں اگر کچھ فرق ہے تو ایسا دقیق ہے کہ مجھ جیسے ظاہر بین کو نظر نہیں آسکتا۔ تھا مجھکو ہندوستان ہی کی قبر پرستی کا رونا تھا۔ لیکن مصر پہنچکر تمام اسلامی دنیا کی نسبت یہ شعر یاد آیا ۵

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

قدیم زمانہ کے مدرسے جن کا اجمالی ذکر میں نے **گزشتہ تعلیم** میں کیا ہے اب بھی موجود ہیں۔ لیکن ویران ہوتے جاتے ہیں۔ راہ چلتے چلتے اتفاق سے ایک مدرسہ میں میرا گذر ہوا۔ اگرچہ وہ محض ایک معمولی مدرسہ تھا۔ لیکن عمارت خوشنما اور بہت اونچی تھی۔ چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے کمرے، بیچ میں وسیع صحن جن میں دو ایک کیاریاں اور کھجور کے چند درخت ہیں۔ غرض اُسکی حالت سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ چھوٹے سے مدرسہ کا ویران ہونے پر یہ حال ہے تو بڑے بڑے مدرسے زیادہ پُرشان۔ موزون اور خوبصورت رہے ہونگے ۔

مطابع و اخبارات

چونکہ مصر کی مطبوعہ کتابیں تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں اور عربی کتابوں

کے چھاپنے اور پھیلانے میں مصر نے عام ناموری حاصل کی ہے اسلئے ان مطبعوں اور یہاں کے کتب فروشوں کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔

مطابع یہاں نہایت کثرت سے ہیں اور بعض بعض قابل تعریف ہیں بالخصوص بولاق کا سرکاری مطبع عظیم الشان مطبع ہے اور عمدگی وصفائی وخوبی کاغذ وعمدگی طبع کے لحاظ سے اپنا آپ نظیر ہے۔ یہ مطبع ۱۲۳۰ھ میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم ہوا اور اُسوقت اسمیں چارسو آدمی کام کرتے تھے۔ اب بھی نہایت رونق پر ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ملک کے مذاق کے خراب ہوجانے کی وجہ سے عمدہ اور نادر المضمون کتابیں کم چھپتی ہیں۔ کتبخانہ خدیویہ میں جو نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں انمیں سے اگرسو دوسو کتابیں بھی چھاپ دیجائیں تو دنیا معلومات مفیدہ سے مالا مال ہوجائے۔ میں نے بعض دوشخص بیر مطبع والوں سے اس باب میں گفتگو کی انہوں نے جواب دیا کہ اس قسم کی کتابیں عام پسند نہیں۔ عام پسند کتابیں البتہ باربار چھپتی ہیں اور بک جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف جو آٹھ برس سے پہلے چھپی تھی۔ اسکی جلدیں آجتک نہیں نکلیں افسوس اور شرم کی بات ہے کہ کتبخانہ خدیویہ کی نادر کتابیں یورپ جاکر چھپتی ہیں اور وہاں سے شائع ہوتی ہیں۔ سید عبدالواحد طوبے ایک مشہور تاجر ہیں۔ یورپ والوں نے اُن سے معاملہ کر رکھا ہے۔ وہ اُن کے حسب فرمائش کتابوں کی نقل لکھوا کر یورپ کو بھیجتے ہیں چنانچہ سید عبدالواحد نے مجھ کو تین چار کتابوں کے قلمی اجزا دکھلائے جو انہوں نے یورپ بھیجنے کے لئے نقل کرائے تھے۔

البتہ مصر کا یہ احسان ہے کہ کتابیں نہایت ارزاں ہیں جسکی وجہ سے انکا نفع بہت عام ہے۔ میں نے بہت سی کتابیں خریدیں جو نولکشوری مطبوعات سے بھی کم قیمت تھیں جن لوگوں کو مصر کی کتابیں مطلوب ہیں اُن کو چاہئے کہ براہ راست مصر کے

منگوائیں۔ بمبئی سے نہ منگوائیں جہاں کے تاجر چوگنے نفع پر بھی قناعت نہیں کرتے مصر کی کتابوں کے لئے سید عبدالواحد طبی سے خط وکتابت کرنی چاہیے انکا پتہ یہ ہے مصر قاهرة۔ قریب الجامع الازهر۔ روپے منی آرڈر کے ذریعہ سے بے تکلف بھیجے جاسکتے ہیں۔

اخبارات جو عربی زبان میں نکلتے ہیں تیس سے اوپر ہیں۔ انمیں المؤید المقطم۔ المقدم۔ اہرام۔ زیادہ نامآور ہیں۔ انکے علاوہ ۲۵۔۔۳۰۔ اخبارات اور رسالے فرنچ اور انگریزی زبان میں نکلتے ہیں۔

انگریزی گورنمنٹ کی بدولت یہاں کے اخباروں کو آزادی حاصل ہے اسلئے یہ اخبارات ہر قسم کے معاملات پر نہایت آزادی سے لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں چونکہ عربی زبان میں پالیٹکس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہمارے ہندوستان کے علماء اس قسم کے مضامین پر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے اسلئے بعض بزرگوں کا خیال تھا کہ پالٹکس کے خیالات اس زبان میں پوری طرح ادا ہی نہیں ہوسکتے لیکن مصر کے اخبارات نے اس خیال کو قطعاً باطل کر دیا ہے ❖

ماہوار رسالے بھی متعدد ہیں اور بعض بعض بڑی بڑی قابلیت سے شائع ہوتے ہیں ان میں سے مقتطف اور الہلال زیادہ کامیاب ہیں۔ الہلال ہمارے لجنۃ الادب[۱] میں آتا ہے۔ آٹھ روپے سالانہ قیمت ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اور ارباب ذوق بھی اسکی خریداری فرمائیں اور فایدہ اٹھائیں ❖

[۱] یہ ایک انجمن ہے جو ہمارے مدرسۃ العلوم میں ڈیڑھ سال سے قائم ہے ہر مہینے میں اسکے تین چار اجلاس بحث طلب مضامین پر ہوتے ہیں اور بہ تعداد تقریریں اور اسپیچیں کیجاتی ہیں۔ عربی زبان میں کیجاتی ہیں بلکہ اسکی تمام کارروائی عربی زبان ہی میں ہوتی ہے۔ شاید تمام ہندوستان میں اس قسم کی یہ پہلی مجلس ہے ہمارے قدیم مدارس عربیہ کو اس انجمن کی تقلید کرنی چاہیئے ❖

تھئیٹر

تھئیٹر یہاں دو تین ہیں - ایک سرکاری ہے جو خدیو اسمٰعیل پاشا کے عہد میں تعمیر ہؤا تھا - یہ بڑے تکلف اور شان و شوکت کا ہے لیکن اس زمانہ میں بند تھا - اسلئے میں اسکی سیر نہ کرسکا - ایک اور تھیئٹر ہے جو کسی عیسائی کمپنی کا ہے میں نے ایک دفعہ اسکی سیر کی - پردے اور ساز و سامان اچھے ہیں - تماشا یہ تھا کہ نیوبیا (یا) یونان (مقام یاد نہیں) کی ملکہ اور قیصر روم میں حدود مملکت کے متعلق جھگڑا ہے قیصر نے ملکہ سے بعض نئے ممالک طلب کیئے - ملکہ نے انکار کیا - اسپر دو تین بار رد و بدل ہوئی یہانتک کہ جنگ چھڑ گئی اور بڑا معرکہ ہؤا - عورت جو ملکہ بنی تھی اُسکا لباس بالکل یورپین تھا کمر میں ننگی تلوار تھی اور نہایت زیب دیتی تھی - ایکٹ بھی اُس نے خوب ادا کیا تھا - قاصد سے قیصر کا پیغام سنکر اُس کا تڑپ کر اُٹھنا - تلوار کو جنبش دینی اور پُرغیظ لہجہ میں یہ الفاظ کہنے کیف نرضی بھذ الذّل والھوان - ساتھ ہی عرب جاہلیۃ کے چند فخر آمیز اشعار کا پڑھنا واقعی عجیب اثر پیدا کرتا تھا - اشعار اُس نے گائے نہیں تھے بلکہ غیظ اور ادعا کے لہجہ میں ادا کئے تھے - لڑائی کے وقت دونوں فوجیں ہاتھوں میں تلواریں لیکر دست بدست لڑیں - تلواروں کے وار صاف نظر آتے تھے اور جو لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اُنکی لڑکھڑاہٹ اور بے اختیار زمین پر گرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی زخمی ہو کر گرتے ہیں - سب سے زیادہ مجھکو جو چیز پسند آئی وہ یہ تھی - کہ اخیر میں سب نے خدیو کی سلامتی کا گیت گایا - پورا گیت یاد نہیں مگر یہ الفاظ ضرور تھے - العیش تم - والنفع عم - من الخدیو لمی ترم - اسیطرح اور متعدد ہم قافیہ ضرور تھے - ہر ہر فقرہ پر آواز کا چڑھاؤ اُتار - عربی لہجہ کے ساتھ نغمہ طرازی - اصول موسیقی کا لحاظ اور سب سے بڑھکر یہ خیال کہ اس جوش سے خدیو کی سلامتی کا راگ گانیوالے سب عیسائی ہیں - میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا -

تفنّنِ طبع۔ ہندوستان کا ہو۔ خواہ عرب اور مصر کا۔ میرے نزدیک اسکی شرکت وقار و شائستگی کے خلاف ہے۔ لیکن اسلامی سلطنت کی ہر چیز عزیز معلوم ہوتی تھی +

شعر

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل + میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کلب و انجمنیں

انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور اُن کے مختلف مقاصد ہیں۔ ۹ خیراتی ہیں جنکا مقصد غریبوں کی امداد و اعانت ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمانوں کی نہیں علمی انجمنیں بھی متعدد ہیں جنمیں **جمعیۃ العلماء المصریۃ** جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوئی اور **المجمع العلمی الجغرافی**[1] جس کو خدیو اسمٰعیل پاشا نے ۱۸۷۵ء میں قائم کیا زیادہ نامور اور فائدہ رساں ہیں۔ ڈیبٹنگ کلب یعنی **مناظرہ** کی مجلسیں نہایت کثرت سے ہیں اور اُنکی وجہ سے مصریوں نے لکچر و اسپیچ کے فن میں بہت ترقی کی ہے ایک مجلس میں میں خود شریک ہُوا۔ صدر کی جانب ایک بلند چبوترہ تھا جس پر صدر انجمن اور سکرٹری کی کرسیاں بچھی تھیں۔ عام حاضرین بنچوں پر تشریف فرما تھے میرے سامنے چار پانچ شخصوں نے گفتگو کی۔ انکی تقریریں ایسی برجستہ پُر زور اور فصیح تھیں کہ مجھ پر ایک حیرت سی طاری تھی۔ تعجب یہ ہے کہ مصریوں کی عام بول چال نحو کے لحاظ سے محض غلط بلکہ بے معنی ہوتی ہے۔ لیکن اس قسم کے موقعوں پر نہایت شستہ عربی بولتے ہیں اور تکلف و آورد کا نام نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مجلسوں اور اخبارات کی آزادی کی وجہ سے مصریوں میں جو عام زندہ دلی۔ آزادی خیالات۔

[1] اس انجمن نے جغرافیہ کے متعلق نہایت نادر تحقیقات اور معلومات فراہم کیں جو مستقل رسالہ کی صورت میں چھپکر شائع ہوئی ہیں۔ اس انجمن کا ایک خاص مکان اور کتب خانہ اور دیگر لوازمات ہیں + ۱۲

جرأت اور حوصلہ مندی پیدا ہو گئی ہے ٹرکی ممالک بلکہ کل موجودہ اسلامی حکومتوں میں اسکا پرتو تک نہیں ✦

مولد نبوی

مصر والوں کو حقیقت میں اس بات پر ناز کرنا چاہئے کہ مولد کے جو معنی اگر سمجھے تو انہیں نے سمجھے - یہاں مولد کا طریقہ یہ ہے کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطہ زمین ہے جسکو ایک معزز خاتون نے اسی کام کیواسطے وقف کر دیا ہے - اس میدان میں تین طرف نہایت ترتیب اور سلیقہ سے خیمے اور شامیانے نصب ہوتے ہیں اور بیچ کی زمین بطور صحن کے چھوڑ دیجاتی ہے صحن بالکل دائرہ کی ہیئت میں ہوتا ہے اور اس کے ہر چہار طرف سرخ جھنڈیاں کھڑی کیجاتی ہیں - خیمے اور شامیانے چونکہ عموماً پاشاؤں اور امراء کے ہوتے ہیں نہایت تکلف اور نفاست سے آراستہ کئے جاتے ہیں ہر پاشا اور امیر اپنا خیمہ جداگانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے جھاڑ و فانوس کی روشنی ہوتی ہے اور کثرت سے ہوتی ہے - ہر خیمہ میں شربت یا چائے یا اور کوئی اس قسم کی چیز ہر وقت مہیا رہتی ہے - جسوقت کوئی شخص اگرچہ وہ عام تماشائی ہو خیمہ میں داخل ہوتا ہے فوراً چائے یا شربت سے اُسکی تواضع کیجاتی ہے ✦

خدیو کا خیمہ جس میں انکی طرف سے انکا نائب شریک ہوتا ہے سرخ ہوتا ہے اور نہایت پُر شان و پُر رونق ہوتا ہے - ہر خیمہ میں خاص خاص گروہ کے فقراء اور صوفیہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کے موافق ذکر کرتے ہیں - ذکر کا طریقہ ہندوستان کے فقراء سے بالکل جدا ہے سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر کے خاص الفاظ ایکساتھ بلند آواز سے کہتے جاتے ہیں - ان الفاظ کے ساتھ رکوع کے قریب جھک کر کمر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں - اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو اُسکو ورزش کا دھوکا ہو درویشان رقاص کا طریقہ اور بھی عجیب ہے اور یہ یہ ہے - کہ

فقر و تصوف کی تضحیک و توہین ہے۔ ان لوگوں کا لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے پوری ہیئت تو خیال میں نہیں لیکن اسقدر یاد ہے کہ نیچا جامہ اور کمر میں سبز پٹکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صف باندھ کر بیٹھتے ہیں اور ان میں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسط محفل میں جاکر ناچنا شروع کرتا ہے لوگوں کا بیان ہے کہ ناچ کے تمام اصول ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے جو دیکھا اسیقدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہو کر پھرکی کی طرح چکر لگاتا تھا۔ قریباً ایک گھنٹے تک اسی طرح ناچتا رہا۔ لیکن ہاتھ یا کسی اور عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی۔ ایک اور گروہ تھا۔ جسکا طریقہ کسیقدر اس سے مختلف تھا۔ ان لوگوں کے جامے اونچے اور زیادہ گھیر دار تھے۔ قریباً جس طرح گھاگرہ والی پلٹن۔ ناچنے کیوقت یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔

مجھ کو سخت افسوس ہوا کہ اس بیہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ غوث۔ قطب۔ ابدال۔ اوتاد کے رتبہ تک ترقی کرتے ہیں۔ ع وللناس فیما یعشقون مذاھب۔

درویشان رقاص کا ذکر ضمناً آگیا تھا۔ اب میں اصل واقعہ یعنی مولد کی کیفیت کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ پہلی تاریخ سے یہ اجماع شروع ہوتا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہانتک کہ بارھویں کی شب کو اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ کشمکش سے جگہ نہیں ملتی۔ صبح کو سب لوگ خصوصاً نائب الحکومت۔ قاضی۔ مفتی۔ شیخ الازہر مشہد حسین میں جمع ہوتے ہیں اور ایک عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حالات پڑھتا ہے ولادت کے ذکر کیوقت معمول کے موافق قیام ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہوجاتی ہے جسکے ساتھ مولد کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

مولد کا یہ طریقہ اس لحاظ سے مجھ کو بہت پسند آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر جس جوش اور مسرت کا اظہار ہونا چاہئے وہ اسی طریقہ سے ہونا چاہئے

چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں یہ اجماع۔ شان وشوکت۔ سر سامان کہاں؟ لیکن دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں۔ اوّل یہ کہ گیارھویں اور بارھویں کو آتشبازی ہوتی ہے اور یہ امر ایسی مقدس رسم کے شایاں نہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کا اجتماع دیکھکر اس مجمع کے قریب سڑکوں پر تھیٹر وغیرہ قائم ہوجاتے ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ ان کو قطعاً روک دے *

اہل کمال اور مفید تصنیفات

قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی علما اور مصنفین کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا مذاق بالکل الگ الگ ہے۔ ازہر کے شیوخ اور تلامذہ میں سے بعض بعض اپنے فن یعنی نحو وفقہ میں کامل خیال کیئے جاتے ہیں لیکن اُنکے کمال کا تمام تر مدار صرف جزئیات کے حفظ پر ہے جسمیں تحقیق واجتہاد کا شایبہ نہیں۔ خود شیخ ازہر جنکو امام الفن کہا جاتا ہے۔ کسی فن میں اُنکی کوئی محققانہ تصنیف نہیں۔ نئی تعلیم نے بھی اگرچہ اب تک کوئی بڑا صاحب کمال نہیں پیدا کیا لیکن اُس میں تحقیق واجتہا کی جھلک پائی جاتی ہے اور تصنیفات میں یورپ کا اندازہ ہے۔ میں ان دونوں گروہوں میں سے بعض مشاہیر کا حال لکھتا ہوں۔

علی پاشا مبارک

مصر کے سررشتہ تعلیم میں جو کچھ اصلاح وترقی ہوئی ہے۔ انہیں کی بدولت ہوئی ہے سولہ برس کی عمر تھی کہ یہ ۱۲۵۵ھ ہجری میں مدرسہ مہندس خانہ میں داخل ہوئے ۱۲۶۰ھ میں محمد علی پاشا کے بیٹوں کے ساتھ فرانس کا سفر کیا اور کئی برس وہاں رہکر متعدد ڈگریاں حاصل کیں ۱۲۸۵ھ میں اُنکو دفتر مدارس اور نظارت اوقاف کی خدمت سپرد ہوئی۔ اسی زمانہ میں اُنھوں نے بہت سے علمی کام کئے۔ خانگی مکاتب کی اصلاح کی۔ اصلاح میں صدر مدارس قائم کئے۔ دارالعلوم کی بنیاد ڈالی۔ کتب خانہ خدیویہ قائم کیا۔ ۱۲۸۵ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوئے اور تعلیم کو نہایت ترقی دی۔ خود بھی صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ مقریزی کے خطط و

آثار کا نہایت عمدہ تحملہ لکھا ہے۔ شہنشاہ فرانس اور شاہ آسٹریا نے اُنکو اعزاز کے تمغے بھیجے ہیں۔ انکی ملاقات کا بہت شائق تھا لیکن بدقسمتی سے اس زمانہ میں خدیو کیساتھ اسکندریہ چلے گئے تھے۔ تین چار مہینے ہوئے اُنہوں نے انتقال کیا اُنکے جنازے میں تمام اعیان سلطنت شریک تھے۔ حال میں اُنکی سوانحعمری لکھی گئی اور شایع ہوئی ہے

علی پاشا ابراہیم

یہ نہایت روشنضمیر تعلیم یافتہ شخص ہے سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں تعلیم کی غرض سے فرانس گیا اور پانچ برس رہکر اعلی درجہ کی ڈگری حاصل کی سنہ ۱۲۹۶ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوا معلمین کے مدارس اوّل اسی نے قائم کئے۔ سلطنت فرانس نے اسکو افیسر کے درجہ کا تمغہ بھیجا جو مشہور اہل کمال کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا +

امین بک فکری

ہائیکورٹ کے جج ہیں۔ فرانس میں تعلیم پائی ہے۔ سویڈن میں جو اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس میں سلطنت مصر کیطرف سے وکیل مقرر ہوکر گئے تھے۔ چنانچہ حالات سفر میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جسکے دیکھنے سے انکی قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے اس کتاب کی قیمت آٹھ روپے ہے اور واقعی قابل سیر کتاب ہے +

احمد زکی

محکمہ ترجمہ کے سکرٹری ہیں۔ فرنچ نہایت عمدہ جانتے ہیں۔ غلامی کے مسئلہ پر ایک رسالہ فرنچ میں لکھا تھا جو نہایت مقبول ہوا اور فرانس کے مشہور اخبارات اور ارباب تصنیف نے اسپر آرٹیکل اور ریویو لکھے۔ چنانچہ اصل رسالہ معہ ریویو وغیرہ کے عربی میں ترجمہ ہوکر چھپا ہے جسکا نام الرق فی الاسلام ہے انکی اور بھی مفید تصنیفات ہیں۔ لندن

ہیں جو اخیر اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں یہ وکیل مقرر ہو کر گئے تھے ؂

شیخ محمد عبدہ

پُرانے تعلیم یافتہ ہیں۔ فن ادب میں تمام مصر و شام انکو اُستاد الفن تسلیم کرتا ہے۔ مقامات بدیع کی شرح نہایت قابلیت سے لکھی ہے۔ روشنضمیری کیساتھ نئے مذاق سے آشنا ہیں جسکا سبب سید جمال الدین افغانی کا فیض صحبت ہے۔ سید موصوف کے ایک رسالہ عربی میں ترجمہ کیا ہے اور اُسکے دیباچہ میں مختصر طور پر اُنکی سوانح عمری لکھی ہے میں اُس کے بعض فقرے اس مقام پر لکھتا ہوں جس سے شیخ موصوف کی مہارت فن اور زور تحریر کا اندازہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں جو لوگ فن ادب کو لئے بیٹھے ہیں انکو اس طرز کی تقلید کرنی چاہئے اور واقعات نگاری کا یہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے۔ جہاں سید موصوف (جمال الدین افغانی) کے حلیہ اور اخلاق و اوصاف کا ذکر آگیا ہے وہاں لکھا ہے۔

میں اُن سے ملا تھا دیر تک لطف کی صحبت رہی ازہر کی ابتری تعلیم پر افسوس

کرتے تھے ۔ لیکن اُسکے ساتھ نئی تعلیم کے بھی سخت شاکی تھے ۔ اور کہتے تھے کہ ھو لاء اضل سبیلا ۔ افسوس ہے کہ گورنمنٹ مصر نے اُن کو عہدہ قضا پر مامور کیا ہے ۔ وہ سررشتہ تعلیم کے لئے زیادہ موزوں تھے چنانچہ خود بھی اسکا افسوس کرتے تھے ۔

شیخ حمزہ فتح اللہ

پُرانے تعلیم یافتہ اور پُرانے خیالات کے آدمی ہیں ۔ فن ادب کے بڑے اُستاد ہیں ۔ دارالعلوم میں ادب کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے ۔ انہیں کا انتخاب ہے ۔ سررشتہ تعلیم کے انسپکٹر ہیں ۔ سویڈن کی اورینٹل کانفرنس میں مصری سفارت کے ساتھ ممبر مقرر ہو کر گئے تھے ۔ اور کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک رسالہ پیش کیا تھا جسکا نام حقوق النساء فی الاسلام ہے ۔ یہ رسالہ سرکاری مطبع میں چھاپا گیا ہے ۔ اگرچہ اصل موضوع پر بہت کم لکھا ہے اور جسقدر لکھا ہے وہ بھی مولویانہ لکھا ہے تاہم عبارت نہایت اُستادانہ بلند اور پُرزور ہے ٭

مجھسے اِن سے نظارۃ المعارف کے دفتر میں ملاقات ہوئی ۔ دیر تک علمی تذکرے رہے ۔ رسالہ مذکور کی پانچ جلدیں تحفہ کے طور پر عنایت کیں ۔ کچہری سے اُٹھکر اپنے مکان پر لے گئے اور اصرار کر کے کھانا کھلایا کھانا نہایت سادہ یعنی خشک روٹی اور کھجوریں تھیں ۔ چونکہ وہ عربی زبان کے اُستاد ہیں اور عرب کے ساتھ اُنکو خاص محبت اور لگاؤ ہے اُنکا سادہ عربی کھانا ایک اثر پیدا کرتا تھا ٭

لطیفہ ۔ میں اور شیخ موصوف کھانا کھا رہے تھے کہ قریب سے ہیچوں ہیچوں کی آواز آئی میں حیران تھا کہ یہ انکر الاصوات کہاں سے آتی ہے ۔ دیکھا تو ایک حجرہ میں گدھا بندھا ہے ۔ معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں گدھا باندھنا معیوب نہیں ۔ اگرچہ میں بازار میں اکثر لوگوں کو حتی کہ انگریزوں کو گدھے پر سوار پھرتے دیکھ چکا تھا بلکہ خود بھی دو ایک بار یہ شرف

حاصل کر چکا تھا تاہم مجھ کو یہ توقع نہ تھی کہ بھلے آدمیوں کے ہاں گھوڑوں کی طرح گدھوں کا بھی اصطبل خانہ ہوتا ہے ؛

سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ اخلاق

مصر کی روانگی کیساتھ گویا میرے سفر کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ اسکے بعد نہ کوئی نئی آبادی دیکھی نہ کوئی جدید واقعہ پیش آیا۔ میں نے سفر کا تمام زمانہ خلاف توقع نہایت لطف۔ آرام۔ دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ بسر کیا۔ لیکن اس موقع پر یہ بتانا میرا فرض ہے کہ یہ لطف و آرام مجھکو کیوں نصیب ہوا؟ اور کن لوگوں کی وجہ سے ہوا؟ ان سوالوں کا صرف ایک جواب ہے یعنی عربوں[1] اور ترکوں کے فیاضانہ اخلاق حقیقت یہ ہے کہ اگر عربوں کی کریم الاخلاقی سے مجھ کو سابقہ نہ پڑتا تو سفر کی دلچسپیوں کا کیا ذکر ہے زندگی دوبھر ہو جاتی۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی شہر میں جا کر رہنا کھانا پینا۔ ملنا جلنا۔ خرید فروخت سیر و تماشا۔ حالات کی تحقیق و جستجو۔ دریافت طلب امور کی تلاش۔ غرض تمام باتیں زبان کے جاننے پر موقوف ہیں اور میں ترکی زبان سے بالکل ناواقف۔ عربی زبان جس قدر جانتا تھا وہ بھی بیکار یا قریب بیکار تھی۔ اسقدر دولتمند بھی نہ تھا کہ بیدریغ روپیوں کے صرف سے اس کمی کا تدارک کر سکتا۔ ایسی حالت میں چھ مہینے کا زمانہ اس لطف و آرام سے بسر کرنا کہ گویا میں وطن ہی میں تھا صرف ترکوں اور خاصکر عربوں کی عنایت تھی ترجمانی یہ کرتے تھے بازار سے چیزیں لا دیا کرتے تھے۔ لوگوں سے تعارف یہ کراتے تھے۔ قابل سیر مقامات میں رہبر یہ بنتے تھے۔ دل لگی کی صحبتوں میں شریک یہ ہوتے تھے۔ غرض کوئی ایسا کام اور ایسی ضرورت نہ تھی جسکے یہ کفیل نہ تھے۔ اور لطف یہ کہ بے غرض اور بے سبب صرف مہمان پرستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے۔ تمام وہ جزئی واقعات جنمیں مجھکو ان

[1] شام و مصر کے اکثر مسلمان عرب کی نسل سے ہیں۔ اسوجہ سے میں تمام شامیوں اور مصریوں کو بلحاظ اختصار عرب سے تعبیر کرتا ہوں ؛

لوگوں کے فیاضانہ اخلاق کا تجربہ ہوا۔ اُن کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین واقعے لکھتا ہوں۔ شیخ عبدالفتاح، شیخ علی البیلانی، خوجی افندی، عبدالباسط افندی، شیخ عبدالحلیم آفندی، عبدالسلام آفندی کی فیاضیوں کے واقعات جن کو میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ اس موقع پر ایک بار پڑھ لینا چاہیے۔

جس زمانہ میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا عبدالسلام افندی کے برادر شاکر آفندی کسی ضرورت سے قسطنطنیہ میں آئے تھے۔ عبدالسلام آفندی نے اُن کو اپنے پاس ٹھہرانا چاہا لیکن اُنکے کمرہ میں جگہ نہ تھی۔ مجھ سے کہا کہ تم اپنے [illegible] سے گوارا کیا۔ میری روانگی کا زمانہ قریب آیا۔ تو انہوں نے کہا کہ افندی بھی آمادۂ سفر ہوں۔ ساتھ ہوتا تو خوب تھا لیکن اسوقت میرے پاس روپے نہیں۔ گھر سے کچھ روپے منگوائے ہیں انکے آنے کا انتظار ہے۔ چونکہ وہ خاص بیت المقدس کے رہنے والے تھے مجھ کو خیال ہوا کہ انکی وجہ سے آسائش آرام کے علاوہ بیت المقدس میں مجھ کو ہر ایک چیز کی تحقیق و اطلاع میں بہت مدد ملیگی۔ میں نے ان سے کہا کہ روپے مجھ سے لے لیجیے وطن پہنچکر ادا کر دیجیے گا۔ انہوں نے انکار کیا اور باوجود اصرار کے کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے لیکن میں نے اسقدر مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کر سکے۔ اور میں نے اسیوقت [illegible] روپے ان کو حوالہ کیے۔ عبدالسلام آفندی اسوقت مکان پر نہ تھے۔ شام کو باہر سے آئے تو بات بات میں یہ تذکرہ آیا انہوں نے یہ واقعہ سنکر سر پیٹ لیا اور نہایت پریشان ہوئے۔ اور بار بار کہتے تھے کہ شوقعلت شوقعلت یعنی تم نے یہ کیا غضب کیا۔ شاکر گو میرا بھائی ہے لیکن نہایت آوارہ ہے اور اُسی نے تم سے فریب دیکر روپے لئے۔ لطف یہ کہ روپے تو میرے معرض خطر میں تھے۔ لیکن عبدالسلام آفندی کو مجھ سے زیادہ اضطراب تھا۔ شاکر آفندی گھر میں آئے تو عبدالسلام آفندی نے اُنکو سخت ملامت کی اور اُن سے دستاویز لکھوالی جسپر اپنی اور ایک اور شخص کی گواہی لکھی۔ مجھ کو الگ بلاکر کہا کہ قومی بدنامی کا

معاوضہ۔ اس لئے مجھ کو اسکے بھائی کی پردہ دری کرنی پڑتی ہے۔ یہ لڑکا (شاکر) آوارہ مزاج اور بے سمجھ ہے۔ اسکی کوئی ذاتی جائداد بھی نہیں۔ اسکا چچا عبد الرزاق اس کا کفیل ہے۔ یہ دستاویز انہی کے حوالہ کرنا وہ تم کو روپے دیدینگے۔

غرض دوسرے دن شاکر اور میں ساتھ جہاز پر سوار ہوئے۔ سمرنا میں پہنچے تو شاکر کے نام سے ایک تار آیا کہ فوراً واپس آؤ۔ شاکر نے مجھ سے کہا کہ میں تم کو چھوڑ کر کیونکر جا سکتا ہوں۔ میں نے انکا روکنا مناسب نہ سمجھا اور بخوشی بلکہ باصرار ان کو واپس بھیجا بیت المقدس پہنچکر سید عبد الرزاق کے پاس گیا اور مجھ کو اس موقع پر مجبوری اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ سخت بداخلاقی کی اسکی شکایت نہیں کہ روپے نہیں دیے تعجب یہ ہے کہ کج اخلاقی سے پیش آئے۔ دوسرے دن میں نے مفتی صاحب (جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے) کے پاس جاکر ان سے سارا قصہ کہا اور دستاویز دکھلائی۔ مفتی صاحب نے عبد الرزاق کے پاس آدمی بھیجا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اسوقت میرے پاس روپیہ نہیں۔ دو چار دن کے بعد البتہ ادا کر سکتا ہوں مفتی صاحب کو چونکہ اطمینان تھا وہ یہ کہکر چپ ہو رہے کہ ضرور ملجائینگے۔ لیکن اور لوگ جو وہاں موجود تھے۔ اور عبد الرزاق کے خاندان کے ممبر تھے سخت برہم ہوئے تھے اور غصہ میں آکر کہتے تھے۔ واللہ صحیح لحیتہ۔ دیوڈی لحیتہ اپنی داڑھی نیچے اور ...

دوسرے دن میں مفتی صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے پوری رقم یعنی دو سو روپے اپنے پاس سے دیدیے۔ میں نے کہا اگر آپ اپنی جیب سے دیتے ہیں تو میں لینا نہیں چاہتا فرمایا کہ نہیں عبد الرزاق نے مجھ پر حوالہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر وہ نہ بھی دیتے اور میرے پاس روپیہ نہ بھی ہوتے تو میں اپنا گھر بیچکر دیتا۔ باوجود اسکے مفتی صاحب اور دیگر حاضرین کو سخت ندامت تھی۔ وہ لوگ مجھ سے نہایت الحاح سے معذرت کرتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ ہماری آنکھ تم سے برابر نہیں ہوتی۔ میں جب رخصت ہو کر چلا تو مفتی صاحب

کچھ دور تک مشایعت کی اور کہا الرجو منکم ان تستروا عیوبنا فانہ من شیم الکرام۔ یعنی "مجھکو امید ہے کہ آپ ہمارے عیب پر پردہ ڈالینگے۔ کیونکہ شرفا کا کام پردہ پوشی ہے" مفتی صاحب اور اُن ہمنشینوں کو عبدالرزاق کے برتاؤ پر جو ندامت تھی۔ اور جس طرح وہ بار بار مجھ سے معافی چاہتے تھے۔ اُسکا اثر اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکندریہ پہنچکر (جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں) ناواقفیت کی وجہ سے مجکو سخت پریشانی ہوئی۔ چونکہ ریل میں دیر تھی ایک قہوہ خانہ میں جو اسٹیشن سے متصل تھا جا بیٹھا۔ وہاں ایک شامی عرب تشریف رکھتے تھے۔ مجکو غیر ملک کا آدمی سمجھکر یا معلوم نہیں کیوں؟ بڑے تپاک سے پیش آئے وہ **قاہرہ** کو جا رہے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں ہمسفر ہوں اور چونکہ ناواقفیت کی وجہ سے مجکو ہر موقع پر نقصان اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قاہرہ تک میرا آپ کا ساتھ ہے انہوں نے کہا کہ بالراس والعین۔ اُنکی وجہ سے مجھکو تمام سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ قاہرہ پہنچے تو میں نے اُن سے کہا۔ کہ آپ مجھکو کسی ہوٹل کا نام بتائیں جو جامع ازہر کے قریب ہو اور فیس بھی زیادہ نہ ہو۔ میں نے تو صرف پتہ بتانے کو کہا تھا۔ وہ دو روز تک میرے ساتھ ہوٹل میں مقیم رہے۔ تیسرے دن کہا کہ "میں ایک ضرورت سے قاہرہ آیا تھا اور دو تین دن میں مجھکو واپس جانا ہے اگر آپ اجازت دیں تو رخصت ہوں"۔ یہ کہکر ہوٹل کے منتظم کو دو دن کا کرایہ اور کھانے کی فیس حوالہ کی میں نے ہرچند اصرار کیا کہ میری فیس آپ کیوں دیتے ہیں شرمانا اور کہا کہ آپ اسوقت تک ہمارے مہمان تھے یہ کہکر رخصت ہوئے اور مجکو سخت افسوس رہا کہ دوبارہ اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔

حال کی عربی زبان

چونکہ سفرنامہ کے لوازم میں ایک یہ بھی ہے کہ جس ملک کے حالات لکھے جائیں وہاں کی

زبان مروجہ سے کبھی بحث کیجائے - اسی لئے حال کی عربی زبان کی نسبت جو تمام اضلاع **شام** اور **مصر** کی زبان ہے کچھ لکھنا ضرور ہے - اس سے ہمارے ہموطنوں کو بھی فائدہ پہنچیگا جو مصر و شام کے اخبارات کے نہایت شائق نہیں - لیکن مروجہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اُن سے متمتع نہیں ہو سکتے -

موجودہ عربی - قدیم عربی سے اسقدر مختلف ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر و شام کا سفر کرے تو اسکو وہاں کی زبان کے سمجھنے میں قریباً وہی وقت ہوگی جو ایک عامی کو ہو سکتی ہے - زبان موجودہ کی وہ خصوصیتیں جنکی وجہ سے وہ قدیم زبان سے مختلف ہو گئی ہے مختصر طور پر ذیل میں درج ہیں -

(۱) بہت سے الفاظ اسقدر مختصر کر لئے گئے ہیں کہ جب تک کوئی شخص نہ بتائے اصلی الفاظ کیطرف ذہن منتقل نہیں ہو سکتا - اس قسم کے چند الفاظ یہ ہیں -

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنے
شُو	اَیُّ شَیْءٍ	کلمہ استفہام -
مُوش	مَاھُوَ شَیْءٌ	حرف نفی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے -
مَا عَلَیْش	مَا عَلَیْہِ شَیْءٌ	کچھ حرج نہیں - کچھ مضائقہ نہیں -
بِلَا شْ	بِلَا شَیْءٍ	مفت - اور پہلے لفظ کے معنوں میں ہی مستعمل ہوتا ہے - یعنی کچھ حرج نہیں -
ھیدا	ھٰکَذَا	اس طرح
ھَادُول	ھٰذِہٖ ھُمْ کُلُّ	یہ لوگ
قَدّیش	قَدْرَ اَیِّ شَیْءٍ	کسقدر

(۲) الفاظ کے اول یا اخیر میں بعض حرف زیادہ کر لئے ہیں جس سے لفظ کی صورت

بالکل بدل جاتی ہے مثلاً **شام** میں تمام افعال مضارع کے اول ب زاید کردیتے ہیں ان الفاظ کو - اقول - مثلاً اعرف - یوں کہتے ہیں **بَاعرف بَاقول** - (۵) یا آخر **مصر میں** الفاظ الفاظ کے اخیر میں **شین** بڑھاتے ہیں **مثلاً** یا خذ کے بجائے یاخذش ۔

(۳) حروف کا تلفظ نہایت خراب ہوگیا ہے - بار بار کہنا چاہیئے کہ عربی تلفظ کی تمام خصوصیتیں مٹ گئیں - ق و ث کے بجائے ہمزہ، جیم کے بجائے گ، ذال کے بجائے دال، قاف کے بجائے ہمزہ بولتے ہیں - اور یہ صرف جاہل اور عامیوں کا یہ تلفظ ہے - بلکہ علما اور اشراف بھی ان حرفوں کو اسی طرح ادا کرتے ہیں - ایک دفعہ مصر میں ہم نے ایک صاحب **العلم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں بولے** ... اجامع من جمعہ) یعنی میں **جمعہ مسجد سے آرہا ہوں** ۔

(۴) **بہت سے قدیم الفاظ ہیں جنکا طرز استعمال بدل گیا ہے - مثلاً جب کسی شخص کی تعریف یا اُسکا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ جواب میں کہیگا - استغفر اللہ یعنی میں کس قابل ہوں - یا کوئی تعجب انگیز بات کسی کے سامنے بیان کیجائے تو وہ کہیگا آمان** یا مثلاً یہ کہنا ہو کہ ہم کو اس سے کیا غرض ؟ تو کہینگے **شُو بِدّی** - شو - ای شی کا مخفف ہے اور بِدّی وہی لفظ ہے جسکو ہم بد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں ۔

(۵) **یورپ کے الفاظ نہایت کثرت سے استعمال میں آگئے ہیں - اور چونکہ لب ولہجہ انہیں تغیر کرایا گیا ہے عربی دان اور انگریزی دان کے سمجھنے میں دقت ہوتی** ہے - اس قسم کے چند الفاظ مثالاً درج ہیں -

الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ
فوٹوگراف	فوتوغراف	ٹیلیگراف	تلغراف
پوسٹ - ڈاک	بُوسته	پروگرام	برُوجرام
پیرس (دارالسلطنت فرانس)	باریز	کمانڈر	قومندان

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
قومایسون	کمیشن	سیغارہ	سگرٹ
افوکاتو	ایڈوکیٹ	انکلترا	انگلستان
شلین	شلنگ	امبراطور	امپرر
غاز	گیس	لوندرہ	لندن
بازاپورت	پاسپورٹ	ژورنال یا جورنال	جرنل
اوروپا	یورپ	جمباز	جمناسٹک
میکانک	مشین (کل)		

اب ہم زبان حال کے الفاظ کی ایک مختصر سی فرہنگ درج کرتے ہیں۔ اسمیں اکثر ایسے الفاظ بھی ہیں جو آج سے پانچ چھ سو برس پہلے ایجاد ہو چکے تھے۔ لیکن چونکہ تصنیفات وغیرہ میں انکو رواج عام حاصل نہیں ہوا تھا وہ بھی نئے الفاظ خیال کئے جاتے ہیں خاص اس قسم کے الفاظ پر میں (ق) کی علامت لکھونگا جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ قدیم الفاظ ہیں۔

لفظ	معنے	لفظ	معنے
(الف)		اودہ یا اودہ	کمرہ (مکان کا)
اِمضاء	دستخط	آغا جمع اغوات	خواجہ سرا
المان (جرمنی لفظ ہے)	سلطنت جرمن	امتیاز	لائسنس
اجزاخانہ (ترکی لفظ ہے)	دواخانہ	اعراض	اسباب
(ق) اُسطول	جنگی جہاز یا جہازوں کا بیڑہ	ادب خانہ	پاخانہ

لفظ	معنے
انتیکخانہ	قدیم اشیاء کا عجائب خانہ
اشتراک الجریدۃ	اخبار کی خریداری اور اخبار کی قیمت کو بدل الاشتراک کہتے ہیں
(ب)	
بطاطہ	آلو
(ق) برطل - جمع براطیل	رشوت
بلدیہ	میوسپلٹی
باخرہ	دخانی جہاز
(ق) برنامج - فارسی لفظ ہے	فہرست
براد	چائدان
بیت الماء	پاخانہ
(ق) بدری	سویرا
بکیر	سویرا
باش کاتب - ترکی ہے	میر منشی
(ت)	
تکیہ	آرامگاہ
توقۃ	پرانا لباس

لفظ	معنے
تمرینات عسکریہ	قواعد فوج [1]
تشخیص	تھیٹر میں ایکٹ کرنا
تذکرہ	پروانہ ٹکٹ - سند
تطعیم الجدری	چیچک کا ٹیکا
تمرینات جسدیہ	ورزش
(ث)	
ثورہ	بغاوت
(ق) ثریا	جھاڑ (روشنی کا)
ثقب	لمبا کرنا
(ج)	
(ق) جریدہ جمع جرائد	اخبار
(ق) جبن	پنیر
جوخ	بانات
جمعیۃ	انجمن

[1] یعنی فوج کی تنخواہ کے رجسٹر کو کہتے ہیں۔

لفظ	معنے
جمرک (یا) گمرک ترکی ہے	چنگی
جنینة	باغ
(ح)	
حوائج	میلے کپڑے جو دھونے کو دیئے جاتے ہیں
(ق) حَرّاقہ	تارپیڈو کی کشتی
(ق) حَلیب	دودھ
حزب الاحرار	لبرل پارٹی
(خ)	
خریطہ	نقشہ (جغرافیہ کا)
(ق) خان	سرائے یا ہوٹل
(د)	
دیجانس (عربی نہیں ہے)	شکرم
دائرہ	محکمہ۔ صیغہ
دقیقہ	منٹ
ر	
(ق) ربّان	کپتان جہاز

لفظ	معنے
روایة	ناول۔ قصہ
رُومان۔ انگریزی لفظ ہے	ناول قصہ
ریش	نب۔ انگریزی قلم کی زبان
ربطه الرقبه	نکٹائی
رصاص	بندوق کی گولی
	تصویر۔ نقشہ
(ز)	
زنّار	پیٹی
(س)	
(ق) ساعة	گھڑی جس سے وقت معلوم ہوتا ہے
سکورتہ۔ انگریزی سے ماخوذ ہے	ریلوے
سجادہ	بیمہ کرنا
سیاسیہ	قالین۔ دری
سریر	پالٹکس
	چارپائی
ش	
شرکة	کمپنی
شوکة	کانٹا (جس سے انگریز کھانا کھاتے ہیں)

لفظ	معنے
شمسیہ	چھتری
شمندوفر- فرنچ زبان کا لفظ ہے	ریل
شنطہ	پورٹ منٹو- بڑا صندوق
(ق) شخطورہ	چھوٹی کشتی
(ص)	
(ق) صیدلیہ	عطار کی دوکان
(ق) صہریج	تالاب
صوت	ووٹ
(ض)	
ضو	چراغ- لیمپ
(ق) ضریبۃ	ٹکس
ضبطیہ	پولس
ضابط جمع ضباط	افسر فوج
(ط)	
ظرف	لفافہ
(ع)	
(ق) علبہ	ڈبیہ
(ق) عیش	روٹی
عیش افرنجی	پاؤ روٹی
عمارہ	بیڑہ جہازات
(ق) عربتہ	گاڈی
عجلہ	ایضاً
عمود	اخبار کا کالم
عضو- جمع- اعضا	ممبر (کمیٹی)

لفظ	معنے
(غ)	
غسیل	کپڑے کی دھلائی
(ف)	
فُراطہ	ریزگاری- روپیہ کا خردہ
(ق) فلوکہ	ڈونگی- چھوٹی کشتی
فطرۃ- یا- فطور	ناشتہ- صبح کا کھانا
فابریقہ- انگریزی لفظ ہے-	کل وغیرہ کا کارخانہ
(ق) فرجہ	سیر و تفریح
فَراجہ	ترکش عورتوں کا برقع
(ق) فندق	ہوٹل
(ق) فنجان- جمع فناجین	پیالی
(ق)	
(ق) قائمہ	فہرست کتب
قرار	رزولیوشن- حکم
قائم مقام	ایک عہدہ کا نام ہے جو ہمارے ہاں کے ڈپٹی کلکٹری کے قریب ہے
قرینۃ	زوجہ- بیگم
(ک)	
کفیہ	ٹوپی
کنبارۃ- ٹرکی ہے غالباً	لوٹ
کرّوسہ	شکرم

لفظ	معنے
(ق) کاک - یا - کعک	بسکٹ
کبریت	دیا سلائی
(ل)	
لائحۃ	فہرست
لفّہ	عمامہ جو ٹوپی کے اوپر باندھتے ہیں
لیرۃ	پونڈ اشرفی
لوکانڈہ - عربی نہیں ہے -	ہوٹل
(ق) لجنۃ	کمیٹی
ثانیۃ	سکنڈ منٹ کا ساٹھواں حصہ
لیلی	بورڈر دبستریہ - یہ لفظ طالب العلم کیلئے استعمال کیا جائے -
لباس	پاجامہ
لبن	دہی
(م)	
مصاری	فلوس پیسے
مستشفیٰ	اسپتال
مرفا	گھاٹ - بندرگاہ
مومسات	رنڈیاں کسبیاں
مِقصّ	قینچی
(ق) مزیّن	حجام
مؤتمر	کانفرنس
مندوب	ڈیلیگیٹ - سفیر - وکیل
محجر	قرنطینہ
مأموریۃ	نوکری

لفظ	معنے
مدفع	توپ
مَضبطۃ	میموریل - عرضداشت
مَعمل	کارخانہ
معرض	نمائشگاہ
متصرّف	ایک عہدہ کا نام ہے
مُفتّش	انسپکٹر
محفظۃ	نوٹ بک یادداشت کی کتاب
متحف	عجائب خانہ
مُشمّع	موم جامہ
مسکوب	سلطنت روس
مرکن	گلدان
(ق) مِخدّۃ	تکیہ
مقلمہ	قلم تراش - چاقو
ملعقہ	چمچہ
(ق) مظلّۃ	چھتری
محرمہ	رومال
(ق) مندیل	رومال
منشف	تولیہ
مرکوب	جوتا
مداسہ	سلیپر - گھر میں پہننے کے جوتے
مِحطّۃ	ریل کا اسٹیشن
(ق) مَجلّۃ[۱]	میگزین علمی رسالہ

[۱] جاہلیت میں اس کتاب کو کہتے تھے جسمیں حکمت و موعظت کے مضامین ہوں - نابغہ کا شعر ہے
مجلتہم ذات الالہ ودینہم قویم فما یرجون غیر العواقب

لفظ	معنے
مِدرعہ	آہن پوش جہاز
محکمہ	عدالت
محکمۃ الحقوق	عدالت دیوانی
محکمۃ الجزاء	عدالت فوجداری
محکمۃ الاستیناف	عدالت اپیل
محکمۃ التمییز	ہائیکورٹ
محامی	وکیل
(ق) مینا	گھاٹ
(ق) مرکب	جہاز
محرر	ایجنٹ
مسوکرہ ۔ انگریزی سے ماخوذ ہے	رجسٹری شدہ خط یا پارسل وغیرہ
میزانیہ	بجٹ
مصلحۃ	محکمہ صیغہ جیسے مصلحت البوسطہ یعنی ڈاکخانہ
معاش	پنشن
مجاور	قدیم مدارس کے طالب العلم
محل الادب	پاخانہ
مکارہ	چرخی
مادۃ	دفعہ (قانون وغیرہ کی کتاب)

لفظ	معنے
معارف	سررشتہ تعلیم
مجسمہ	اسٹیچو پتھر کی مورت
مزایدہ	نیلام
(ن)	
(ق) ناموسیۃ	پلنگ
نمسا	سلطنت آسٹریا
ناریۃ	آتشبازی
نظارہ	دوربین
(ق) نظارہ	سررشتہ صیغہ
ناظر	سکرٹری
نارگیلۃ ۔ فارسی	حقہ
نہاری	غیر ملکی طالب العلم انکو بھی کہتے ہیں
نیشان جمع نشانات	تمغہ
(و)	
وسام	تمغہ
وابور ۔ یا ۔ فابور عربی نہیں	جہاز
ورقہ	ٹکٹ
ورقۃ الزیارت	ملاقات کا کارڈ
(ق) وصول	رسید
ویرکو ۔ عربی نہیں ہے	ٹکس
ورق	کاغذ

(کپتان خیرالدین وعروج) کے تفصیلی کارنامے۔ ترکون کا بحری اقتدار اور بحر روم کی سہ صد سالہ حکومت۔ عربی۔ ترکی۔ انگریزی تاریخون کا لب لباب اور اسپین کے جلاوطن مسلمانون کا جوش انتقام اور ساحل اسپین پر ترکی تازیان الجزائر اور ٹیونس کا آل عثمان کے ظل حمایت مین آنا دول یورپ کا حدود بربر پر جاسدانہ جہاد کر کے منہزم ہونا۔ الجزائر پر اسپین کا جہاد پریوسیا اور لینیٹو کے مشہور معرکے۔ ۲۰-۲۶ تقطیع سفید ولایتی کاغذ ۱۰۰ صفحون پر ہے جس مین بہت سے عمدہ نقشہ جات بھی شامل ہین اور ایک مقدمہ اور بارہ باب پر منقسم ہے۔ عہ

مقدس نازنین۔ یا پوپ ایگنس بالکل نیا اچھوتا اور انتہا سے زیادہ دلکش ناول۔ پرانی مسیحیت رہبانیت وعلم وفضل۔ ایک حسین مسیحیہ عورت کا پوپ منتخب ہوجانا اور آخر مسلمانون کی تدبیر سے نجات پانا۔ قیمت عہ

ایام عرب (دو حصے) جاہلیت عرب کے دلچسپ معنی خیز اور سراپا عبرت واقعات۔ اُس سادی زمین کی سرگذشت جس پر بعد کو اسلام کی داغ بیل پڑی۔ عربی حسن و عشق کی جیتی جاگتی تصویرین قیمت۔ عاہ

فردوس برین۔ عجیب پرلطف اور حیرت مین ڈال دینے والے اسرار جیتے جی فردوس برین کی سیر۔ فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کی سچی تاریخ۔ کوہسار طالقان کی باطنی سلطنت۔ فلسفۂ الٰہی کے نازک مباحث۔ حقیقی بےنفسی اور کیادی کی ریاکاری مین نمایان امتیاز۔ نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز۔ قیمت عہ

فلورا فلورنڈا۔ نہایت دلکش اور دل پر اثر کرنے والا ناول اسپین کے عیسائیون کا مجنونانہ تعصب اور اسلامی خلافت کی معدلت پروری قیمت عہ/

دھوکا یا طلسمی فانوس۔ رینالڈز کا ناول اور مسلم الثبوت زباندان بذلہ سنج منشی سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ کا ترجمہ۔ اِس سے زیادہ اور کیا ثبوت اِس ناول کی دلچسپی کا ہوسکتا ہے۔ عاہ

منظفر و راما بائی۔ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے کا ایک سچا واقعہ نہایت دلچسپ۔ ۱۲/

دلکش۔ ہر حصہ اُن طالبعلمون کی حالات کا نقشہ دلچسپ ناول کے پیرایہ مین دکھایا گیا ہے جو اپنے والدین کی آنکھون سے دور کالجون اور سکولون مین منچلاپن کر جاتے ہین عہ

یوسف و نجمہ۔ غدر کے حالات اور ایک شریف خاندان کی تباہی۔ نہایت پُراثر۔ قیمت ۱۰/

زیادہ اور حلاوہ کامل ۔ تاریخی واقعات سے اس ناول کو بہت آراستہ کیا گیا ہے ۔ عیسائیون کی کرتوتون کا کچا چٹھا کہیے تو بیجا نہ ہوگا ۔ عیسائی مذہب کے برگزیدہ لوگون کی کارروائی کا دفتر ہے ۔ قیمت عہ

خونی قسمت ۔ جعلسازی و دغابازی کی شکست ۔ نیک نفسی و پاک طینتی کی فتح ۔ قیمت عہ

نشتر ۔ ایک نہایت سچے فارسی زبان کے قصہ سے بہت ہی پُراثر اور فصیح اردو مین ترجمہ کیا گیا عہ

ہیرے کی کنی ۔ اصل سے خطا نہین کم اصل سے وفا نہین ۔ ایک البیلا ناول اُردو زبان کا ۔ پارسل فلسفہ کی جان ۔ رؤسا کی نازیبا حرکات کا آئینہ ۔ ایک ہندوستانی ریاست کی حالی تاریخ کا مختصر قصہ ۔ ۸ر

مریم ۔ ایک باعصمت خاتون کی سرگذشت ۔ اُسکے عجیب و غریب حالات ۔ دہلی کا سچا واقعہ ۔ عہ

ہر دلعزیز ۔ شیدا اور دلبر کے عشق کی پُر درد اور مصیبت ناک کہانی عموماً نامحرمون سے عورتون کے بے پردہ رہنے کی بدیہی خرابیان اور خصوصاً نامحرمون سے نہ پردہ کرنے کی صریحی بُرائیان دکھائی گئی ہین ۔ قیمت ۹ر

کیفر کردار ۔ مصنفہ میرزا عبداللہ حسرتی ۔ یہ ناول تین برس کی کتب بینی و ناول خوانی کا ثمرہ ہے ۔ ہر مذاق کے انسان کے لیے دل لگی کے ساتھ وقت گزارنیکا مفید مصالحہ ۔ عہ

مشتاق و زہرہ ۔ محمد واجد علی شاہ آخری نواب اودہ کے زمانہ کے دلچسپ حالات ۔ ایک معزز خاندان کی تباہیون کا حسرتناک ذکر ۔ غدر کے عبرت خیز واقعات ۔ عہ

شادی غم ۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے ایک دلکش واقعہ کا فوٹو جس مین اسلامی جبروت کے ساتھ ہی راجپوتون کے استقلال ۔ اُن کی جی داریون اور قومی حمیت کا پورا پورا حال معلوم ہوتا ہے ۔ عہ

تسخیر ۔ شہر اور دیہات کی طرز معاشرت مین فرق بتایا گیا ہے اور غریب دیہاتیون کی سادگی آمیز غلطیان ۔ شہر والون کو چٹکیون مین اُڑایا گیا ہے ۔ ۸ر

وقایع نادری ۔ نادر شاہ ایرانی کی سرگذشت جو ایک انگریز نے اُسکے کیمپ مین رہ کر لکھی ہے جملہ ہندوستان کی فتح اور تاریخ وار حالات تفصیل کے ساتھ درج ہین ۔ قیمت ۶ر

نئی نویلی ۔ پھوہڑ بیگم کا قصہ ظریفانہ اور نصیحت آگین پیرایہ مین لکھا ہے محلات کی زبان لکھی گئی ہے ۔ ۱ر

المشتہر ۔ سید ظہور الحسن مہتمم احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام الملک سنہ ۱۹